بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۱ | ۲۵؍اگست ۲۰۲۴ء مطابق ۲۱؍صفر المظفر ۱۴۴۶ھ | شمارہ نمبر ۲۰

اس شمارے میں

شعروادب		
ہے کوئی دردِ دکھ کی دوا اور بھی؟	سید عبد الرب صوفیؒ	۴
اداریہ		
نسبت محمدیؐ اور وراثت نبویؐ	شمس الحق ندوی	۵
حق وباطل		
شرک وکفر اور اس کے مظاہر سے نفرت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
خوفِ خدا		
صحیح انسانی معاشرہ کی بنیادیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۱۰
فکر معاصر		
تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا......	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۲
فکروعمل		
دوبارہ غلامی کے شکنجے میں	مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی	۱۴
راہِ عمل		
جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۵
اخلاق عالیہ		
ایمان وعزیمت کے تابندہ نقوش	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۱۸
یادِ رفتگاں		
عبید الرحمٰن ندوی علم وعمل کے پیکر	ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خان ندوی	۲۲
محاسن اسلام		
زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت	مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی	۲۵
ملک وملت		
اوقاف کا تحفظ دینی اور آئینی ذمہ داری	ڈاکٹر محمد سراج الدین ندوی	۲۸
رسید کتب		
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۳۰
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون 400/-	فی شمارہ 20/-	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ‎₹30/=‎ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

ہے کوئی دَرد دُکھ کی دوا اور بھی؟

سید عبدالرب صوفیؒ

کس نے پیدا کیے سات سات آسماں — اور کس نے بنایا یہ سارا جہاں
کس نے جنت میں نہریں بنائیں وہاں — اور کس نے بہائیں یہاں ندیاں

ایک اللہ نے ، ایک اللہ نے

کس نے پیدا کیے ہیں یہ شمس و قمر؟ — اور کس نے بنائے یہ شام و سحر؟
کس نے پیدا کیے نونہال اور شجر؟ — اور کس نے کھلائے یہ گلہائے تر؟

ایک اللہ نے ، ایک اللہ نے

کوئی خالق ہے اس کے سوا اور بھی؟ — کیا یہاں اور وہاں ہے خدا اور بھی؟
ہے کہیں کوئی حاجت روا اور بھی؟ — ہے کوئی درد دکھ کی دوا اور بھی؟

ایک اللہ ہے ، ایک اللہ ہے

خلق کر کے ہوا عرش پر مستوی — اختیار اس کا ہر شے کو ہے محتوی
اس کی قدرت کے باہر نہیں ہے کوئی — سب کے سب زار و عاجز ہیں؛ لیکن قوی

ایک اللہ ہے ، ایک اللہ ہے

☆☆☆☆☆

ادار یہ

نسبتِ محمدیؐ اور وراثتِ نبویؐ

شمس الحق ندوی

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسانی مزاج وطبیعت مختلف بنائے ہیں، بخل، حسد، غصہ، حرص، جھوٹ، فریب، یہ وہ ناپسندیدہ چیزیں ہیں، جن سے طرح طرح کی دوسری برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کے بالمقابل جود وسخا، رحم وکرم، حسن اخلاق، اطاعت وانقیاد، ادب واحترام، شرم وحیا، ایثار وقربانی، یہ وہ اچھی صفات ہیں جن سے دوسری تمام نیکیاں اور اچھائیاں وجود میں آتی ہیں۔

انہیں دو متضاد صفات کے حامل انسانی سماج اور سوسائٹی میں مصلحین وقائدین ملت، جماعتوں اور اداروں کے سربراہان وذمہ داران کو کام کرنا ہوتا ہے، ان باتوں کو تحریر وتقریر میں پیش کر دینا تو بہت آسان ہے؛ لیکن عملی طور پر ان صفات کے حامل انسانوں میں کام کرنے کا دل وجگر پیدا کرنے کے لیے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کامل کے سوا کہیں اور سے رہنمائی اور قوت وتوانائی نہیں مل سکتی، لہٰذا دعوت وارشاد، قیادت وسیادت، اداروں کی سربراہی، تحریکوں کی پیشوائی اور کسی متحدہ پلیٹ فارم کی قیادت کا نازک فریضہ انجام دینے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وحکمت، نازک سے نازک موقع پر اپنے نفس وغصہ پر ضبط سے کام لینا پڑے گا اور شاعر کی اس نصیحت پر پوری ہمت وحوصلہ کے ساتھ عمل کرنا پڑے گا:

وان ابليت بشخص لا خلاق له

فكن كأنك لم تسمع ولم يقل

(جب تم کو کسی بدتمیز وبد اخلاق شخص سے واسطہ پڑے تو تم ایسے بن جاؤ جیسے نہ اس نے کچھ کہا، نہ تم نے کچھ سنا)۔

ہم اس موقع پر اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حلم وضبط کے صرف دو واقعے ذکر کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں:

زید بن سعنہؓ ایک بڑے یہودی عالم تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ: نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کو میں نے حضورؐ میں نہ دیکھ لیا ہو بجز دو علامتوں کے جن کی اب تک نوبت نہیں آئی، ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ پر غالب ہوگا، دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا، میں ان علامتوں کے دیکھنے کا منتظر رہا، اور خدمت اقدس میں آمد ورفت بڑھاتا رہا، ایک دن آپ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے، حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ بدوی جیسا ایک شخص آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو تم کو بھرپور رزق ملے گا اور اب یہ حالت ہے کہ قحط پڑ گیا ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نکل نہ جائیں، اگر رائے مبارک ہو تو ان کی کچھ اعانت فرما دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف دیکھا جو غالباً حضرت علیؓ تھے، انھوں نے عرض کیا: حضور موجود تو کچھ نہیں رہا، زید جو اس وقت تک یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے، کہنے لگے کہ محمدؐ! اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقت معین پر دے دیں تو میں قیمت پیشگی دے دوں، اور وقت معین پر کھجور لے لوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو نہیں، البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں، میں نے اس کو قبول کر لیا اور کھجوروں کی قیمت اسی (۸۰) مثقال سونا دے دیا، آپؐ نے وہ سونا بدوی کو دے دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا، زید کہتے ہیں کہ ابھی کھجوروں کی ادائیگی کے دو تین دن باقی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے، کسی جنازہ کے نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے، میں آیا اور آپؐ کے کرتے اور چادر کے پلو کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ محمدؐ! آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے، خدا کی قسم! میں تم سب اولاد عبد المطلب کو خوب جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو، حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا، اور کہا

کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم آمیز لہجہ میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے، وہ یہ کہ مجھے حق ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے جاؤ، اس کا حق ادا کر دو، اور جو تم نے اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلہ میں بیس (۲۰) صاع کھجوریں زیادہ دے دینا، حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دیدیں، میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے، زید نے کہا کہ عمر! تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا: کہ میں زید بن سعنہ ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہی جو یہود کا بہت بڑا عالم ہے، میں نے کہا ہاں میں وہی ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا: علامات نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئی تھیں جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصہ پر غالب ہوگا، دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا، اب ان دونوں کا بھی امتحان کر لیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھا مال امت محمدیہؐ پر صدقہ ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے، اور اسلام لائے، اور بہت سے غزوات میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ غزوۂ تبوک میں شہید ہو کر اپنے رب سے جا ملے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کے واقعات بے شمار ہیں صرف ایک اور واقعہ نقل کر کے اپنے سلسلہ کلام کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

فتوحات کا دور شروع ہو چکا ہے، بیت المال قائم ہے، ایک بدوی ایک موقع پر آیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے اونٹوں پر غلہ لدوا دو، تم اپنے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تو اس چادر کے کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا، اس نے کہا: خدا کی قسم! میں بدلہ نہیں دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔

یہی وہ نسبت محمدیؐ اور وراثت نبویؐ ہے جو علماء ربانیین اور مشائخ و اولیاء اللہ میں منتقل ہوتی ہے، جس کی طاقت سے یہ حضرات دل پر پتھر رکھ کر اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں، کسی کی طعن و تشنیع حتی کہ بہتان تراشی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، وہ برائی کا بدلہ بھی اچھائی ہی سے دیتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں، وہ زبان حال و قال سے اپنے رفقاء اور معتقدین سے کہتے ہیں:

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی أحسن الی من أساء

(برائی کا بدلہ برائی سے دینا تو بہت آسان ہے، مردانگی کی بات تو یہ ہے کہ برائی اور بدسلوکی کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو)۔

ملت اسلامیہ کے یہی وہ پیشوا ہیں جن سے اللہ تعالیٰ رہنمائی و قیادت کا کام لیتا ہے، اور دین و ملت کی کھیتی ہری اور شاداب ہوتی رہتی ہے، جس سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے، لہٰذا تمام کارکنان و رہبران ملت کو اسی روشنی میں ہمت و حوصلہ سے کام لینا چاہیے، ورنہ ادارے، جماعتیں اور تحریکیں پانی کے بلبلے کے طرح اٹھتی ہیں اور پھٹتی رہتی ہیں، کوئی مؤثر و دیرپا کام انجام نہیں پاتا، کوئی بھی ادارہ خواہ کتنا ہی عظیم ہو، جب ایسے رہبر اور حلم و ضبط کے پیکر سربراہ سے محروم ہو جاتا ہے، تو اس میں مضحکہ خیز و رسوا کن انتشار پیدا ہو جاتا ہے جس کی مثالیں برابر سامنے آتی رہتی ہیں، یہی وہ حکمت و راز ہے جس کی بنا پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تم کو اللہ کے پاس و ادب، سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں، چاہے تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو"۔ [ابوداؤد و ترمذی]

اس وقت امت مسلمہ جس نازک دور سے گزر رہی ہے، اگر ہم اپنی انا اور جاہ پسندی کی پیاس کو بجھا کر اپنے پیشواؤں کی رہنمائی میں کام کریں گے، اتحاد و ملت کو ہر چیز پر ترجیح دیں گے، تبھی ملت کی کشتی موجودہ سازشوں اور مکر و فریب کے طوفان سے نکل کر ساحل مراد سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حق و باطل

شرک و کفر اور اس کے مظاہر سے نفرت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اسلام اور جاہلیت

پڑھے لکھے لوگوں نے دو لفظ سنے ہوں گے: ایک اسلام، اور دوسرے جاہلیت، یہ قرآنی اصطلاحات ہیں، اور کثرت سے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں؛ لیکن جاہلیت کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو ذہن عہد رسالت کے قبل کے زمانہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، رسالت سے قبل ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی، لوگ خدا کو بھول گئے تھے، اور زندگی کے مقصد کو بالکل فراموش کر چکے تھے، اور انسانیت کے منصب اور خدا سے اس کا جو تعلق ہونا چاہیے تھا، اس کو بھول گئے تھے، عام طور سے لوگ اس کو ایک تاریخی عہد سمجھتے ہیں، اور اسلام کے پہلے کے زمانے کو عہد جاہلیت کہتے ہیں، اس کے بعد کا دور اسلامی کہلاتا ہے۔

اسلام کے معنی

اسلام کے معنی اپنے کو اللہ کے حوالہ کر دینا ہے، اپنی تمام چیزوں، اپنی خواہشات، اپنے ماضی، اپنے فوائد، اپنے اغراض اور اپنے ان مقدسات سے جو اس کے دل و دماغ پر حاوی ہیں، ان کے قابو سے نکل جانا اور ان سے دست بردار ہو جانا ہے، جسے انگریزی میں Surrender کرنا کہتے ہیں، اللہ و رسول کے احکام پر چلنا یعنی خدا چاہی زندگی گزارنا اسلام ہے۔

جاہلیت کا مطلب

اور جاہلیت کے معنی ہیں: من مانی زندگی گزارنا، جو دل میں آئے وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے ویسا کرنا، جو لوگ چاہتے ہیں اس کے مطابق کرنا، جس میں آدمی فائدہ دیکھے وہ کرنا، جس میں شہرت ملے، عزت ملے، نام و نمود ملے وہ کرنا، جو جی میں آئے وہ کرنا، جس میں مزہ آئے اور جس میں فائدہ معلوم ہو، جس میں چرچا ہو، تذکرہ ہو، لوگ تعریفیں کریں، جس میں لذت ملے اور عزت ملے وہ کرنا۔

لیکن جاہلیت کے متعلق آپ کے ذہن میں ایک بات یاد رہنا چاہیے کہ جاہلیت جہالت کے لفظ سے ہے، اور جہالت جاہلیت پیدا کر دیتی ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد، مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد، اپنے کو مسلمان کہلانے کے بعد، اگر آدمی نے دین کی ضروری اور بنیادی معلومات حاصل نہیں کیں، قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا، ترجمہ کے ذریعہ، عالموں کے ذریعہ، دینی کتابوں کے ذریعہ اس کو اللہ و رسول کا منشا نہیں معلوم ہوا اور اس نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی تو وہ جاہلیت پھر آ جائے گی، یعنی وہ جاہلیت جو گزر گئی اس کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ واپس نہیں آ سکتی ہے، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بار بار فرمایا: "أَجَاهِلِيَّةٌ بَعْدَ الْإِسْلَامِ؟"، کیا اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو؟ اور ایک صحابی جن سے ایسی ہی غلطی ہو گئی تھی، ان کے متعلق آپ نے فرمایا: "إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ"، [صحيح بخاري، رقم ۳۰] (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو باقی ہے)، تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گزرا ہوا زمانہ نہیں ہے، جو گزرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آ سکتی ہو، بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام ہے، اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے، تو اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے۔

اسلام کے تقاضے

اسلام کے لیے ضروری ہے کہ بنیادی معلومات حاصل ہوں اور آدمی کو معلوم ہو کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور کیا چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے؟ کیا چیز اللہ و رسول کے منشا کے مطابق ہے؟ کیا چیز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پسندیدہ ہے؟ کیا چیز مسلمان، ایمان اور عقیدہ کے مطابق ہے اور کیا چیز مطابق نہیں ہے؟ تو اس کا علم حاصل کرنا اپنے لیے بھی، اپنے بچوں کے لیے بھی، آئندہ نسلوں کے لیے بھی، اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے، اگر ہمیں قرآن مجید کی زبان سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا وزن معلوم ہو، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی سطح اور شان سے واقف ہوں اور یہ معلوم ہو کہ اس کلام کا ایک ایک لفظ کتنی گہرائی رکھتا ہے، اور کتنی بلندی رکھتا ہے، اور اس کی کتنی اہمیت اور قدر و قیمت ہے، تو ہم کانپ جائیں۔

علماء کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" [سورۃ فاطر: ۲۸]، "إِنَّمَا" کلمۂ حصر ہے، یعنی اس کے سوا کچھ نہیں، اللہ سے وہی ڈرتے ہیں، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں، وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں، اردو زبان میں علماء سے مولوی صاحبان، مدارس کے فضلاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے، اور ان کے علم سے فائدہ پہنچائے۔

مراد لیے جاتے ہیں، لیکن کلام الٰہی اور کلام نبوت میں ان کا علم محدود نہیں ہے، ''العلماء'' جب کہیں گے تو ہمارے سامنے بڑے بڑے علماء آئیں گے، حکیم الاسلام حضرت تھانویؒ کا نام آئے گا، حضرت مدنیؒ کا نام آئے گا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا نام آئے گا، مولانا سید سلیمان ندویؒ کا نام آئے گا، ''العلماء'' کے معنی ہیں: جاننے والے کے، جب اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے علماء ڈریں گے، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ دین جو ہم کو اسلام کے نام سے ملا ہے، یہ علم سے جڑا ہوا ہے، اس کا علم کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، علم اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عنصر ہے، اس میں صحیح عقائد کا علم ہوجائے، فرائض کا علم ہوجائے، اللہ تعالیٰ کی ضروری تعلیمات کا علم ہوجائے، اللہ تعالیٰ کے منشا وفرمان کا علم ہوجائے، کیا چیزیں ہم پر فرض اور واجب ہیں، کیا اسلام ہے اور کیا کفر ہے، اس کا فرق معلوم ہوجائے، اور کیا توحید ہے اور کیا شرک ہے، کفر اور ایمان کا فرق معلوم ہو، توحید اور شرک کا فرق معلوم ہو، بدعت و سنت کا فرق معلوم ہو، طاعت اور معصیت کا فرق معلوم ہو، حرام وحلال کا فرق معلوم ہو، جائز و ناجائز کا فرق معلوم ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا فرق معلوم ہوجائے۔

علم کیسے حاصل ہو؟

وہ علم جو اسلام کے لیے ضروری ہے، وہ مواعظ کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تبلیغی جماعت میں شامل ہوکر، یا کوئی اور ایسا ماحول اور صحبت اختیار کرکے ضروری علم حاصل کرے، علم کے وسائل بہت ہیں اور الحمدللہ آسان ہوگئے ہیں، اور مدرسوں کی وجہ سے اور بھی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، کتابوں کی کثرت ہے، مدارس کا فیض عام ہے۔

دینی مدارس کی اہمیت و افادیت

یہ مدارس کوئی معمولی چیز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، آزادی سے قبل کا زمانہ مجھے یاد ہے، جب انگریزوں کا اقتدار شباب پر تھا، اس وقت خلیفہ شجاع الدین نے ایک رسالے میں مضمون لکھا کہ اب ان مدرسوں کی کیا ضرورت ہے؟ اب زمانہ بدل گیا ہے، ان مدرسوں کو اسکولوں میں تبدیل کردینا چاہیے، اور وہاں انگریزی زبان پڑھائی جائے اور سائنس کی تعلیم دی جائے، جیسا کہ آج بعض لوگ مطالبہ کرتے ہیں، علامہ اقبال نے کیمبرج اور جرمنی سے قانون، اقتصاد اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، انھوں نے اس کا جواب دیا کہ خدا کے لیے تم یہ نہ کہو، اگر یہ مدارس نہ رہے تو ہندوستان اسپین بن جائے گا، اسپین میں کیسے کیسے ولی اللہ مدفون ہیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وہاں مدفون ہیں، فقہ مالکی میں ایک اصولی مسئلہ ہے کہ ان کے یہاں اہلِ مدینہ کا عمل حجت ہے، اس میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے ہی ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بن گیا تھا کہ عملِ قرطبہ حجت ہے، وہاں علماء کے فیض اور عربی علوم کے اثر سے اور محققین کے پیدا ہونے سے اور گھر گھر عالموں کے ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اسلام کے ڈھانچہ میں ڈھل گئی تھی کہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ قرطبہ میں ایسا ہوتا تھا، جس ملک کا ایسا حال ہو، وہاں کا عمل حجت ہو، اور پوری شمالی افریقہ کی پٹی جو لیبیا اور سوڈان سے شروع ہوتی ہے اور مراکش تک جاتی ہے، اور پھر اسپین تک جاتی تھی، یہ سارے علاقے سو فیصدی مالکی ہیں، ایسا کوئی ملک نہیں جو سو فیصدی حنفی ہو، وہ ملک مسلمانوں سے خالی ہوجائے۔

علم ہمارے لیے ضروری کیوں؟

علم ہمارے لیے اس لیے ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چلنا اس کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ ناممکن ہوسکتا ہے، اور کم سے کم ہمارا ہندوستان جیسا ملک ہے، جس کے چاروں طرف جہالت کی جو فضا ہے، اور جو کفر وشرک اور دوسرے مذاہب، میتھالوجی (دیومالائی) جو پھیلی ہوئی ہے، اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ، اور تاریخ کے ذریعہ اور ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلائی جارہی ہیں، جو کبھی ہندوستان میں تھیں، وہ بھی سامنے لائی جارہی ہیں، اس صورت میں دین کی تعلیم کی سخت ضرورت ہے، گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دارومدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو، آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہیے، بار بار کہا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا علاج کرنے، بچوں کو بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ و رسول سے واقف کرائیں اور ان کو کفر و ایمان کا فرق بتائیں، انھیں شرک و توحید کا فرق بتائیں اور شرک و بت پرستی کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے اور گھر کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان سے گھن پیدا کریں، ایسی گھن

جو گندگی و پاخانہ پیشاب سے ہوتی ہے۔
جب تک ہماری نئی نسل کے دل میں بت پرستی، چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو، اس کائنات میں کسی کو متصرف ماننے، کسی کو کارساز ماننے، کارفرما ماننے، اور اپنی قسمت کا بنانے والا اور بگاڑنے والا جاننے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتی ہے، اس وقت تک اس کے ایمان کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہے گا۔

کفر وشرک سے مسلمانوں کو ایسی نفرت ہونی چاہیے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہو، کفر وشرک کی تمام شکلوں سے جب تک اس کے دل میں نفرت نہ ہو، اور ہندوستان میں جو دیو مالائی چیزیں ہیں، اور بت پرستی کی جو چیزیں ہیں اور یہاں کے دیوتاؤں کے بارے میں جو خیالات ہیں، اس سے نہ صرف بچارہے، یہ ایک بڑی نعمت ہے، بلکہ اس سے نفرت ہو، اور اس کے نام سے اس کا ذائقہ خراب ہوجائے، اور اس کے دل ودماغ اور احساسات پر ایسا اثر پڑے جیسے کوئی گندی چیز کھالی ہے۔

نسل نو کی تعلیم و تربیت کی فکر کیجیے

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلیم کا انتظام کرنا جس سے اس کو دین کا ضروری علم حاصل ہوجائے بلکہ کفر اور شرک سے ایک قسم کی نفرت، وحشت نہ پیدا ہو، اس وقت تک اطمینان نہیں کہ وہ کفر وشرک کا کوئی کام نہ کر گزرے، مائیں ایسے قصے سنائیں جس سے کفر وشرک کا فرق معلوم ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے گھر میں پیدا ہوئے، جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں تھی بلکہ ان کا معاش بھی اس سے وابستہ تھا، یعنی اعتقادی اور اقتصادی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو داعی کبیر بنایا تھا، بلکہ موحّد اُمت کا بانی بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کفر وشرک کے فرق کو "یٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا" [سورۃ الأنبیاء:۶۹] (اے آگ! تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا) سے عیاں کردیا، ایسے قصوں سے، ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر وشرک کا امتیاز پیدا ہوگا، اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی، اسی لیے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے، ایمان وعقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی کی پیش کش

❁ تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

بقلم: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

شیخ الاسلامؒ کی حیات وخدمات، قوم وملک کے لیے ان کے مجاہدانہ کارنامے، امت کی دینی وسیاسی رہنمائی اور ان کے علمی وروحانی مقام ومرتبہ کا ایمان افروز تذکرہ۔

صفحات: 160 قیمت: Rs.130

❁ ایک عشرہ سئی کی وادی میں

بقلم: پروفیسر رشید کوثر فاروقی

معروف ادیب ونقاد پروفیسر رشید کوثر فاروقی کی زندگی کے ان دس دنوں کی داستاں جو انھوں نے دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت میں گذارے تھے، دس دن کی محدود رفاقت، مفکر اسلام کے شب وروز کے مشاہدے اور ذاتی تجربات واحساسات کا ایک حسین ودلکش بیانیہ! عام قارئین کے لیے علمی وادبی سوغات!

صفحات: 120 قیمت: Rs.100

سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی
رابطہ: 9919331295

خوفِ خدا

صحیح انسانی معاشرہ کی بنیادیں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

دنیا کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اگر پروردگار عالم کا ڈر نہ ہو اور آخرت میں جزاء وسزا کا تصور نہ ہو تو انسان اپنے نفس کا بندہ اور زندگی کے ہر معاملہ کو صرف اپنے دنیاوی مفادات کے پس منظر میں دیکھنے والا بن جاتا ہے، اور یہ بات بعض وقت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے خاطر دوسروں کے ساتھ حق تلفی بلکہ ظلم وچیرہ دستی کرنے سے بھی باز نہیں آتا، یہ بات قوموں کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہے، اور افراد کی زندگی میں بھی نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

تاریخ انسانی میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے عاری معاشروں میں اس سلسلہ کے بڑے افسوسناک واقعات، ظالمانہ رویے برابر واقع ہوتے رہتے ہیں، قرآن مجید میں ایسے معاشرہ کا جہاں جہاں تذکرہ آیا ہے وہاں ان کے ظالمانہ طور وطریق کو واضح کیا گیا ہے، اور ان کے بگاڑ کے تذکرہ کے ساتھ اس کی بنیادی وجہ خدائے واحد کی تابعداری سے ان کے برگشتگی ظاہر کی گئی ہے۔

فراعنۂ مصر نے اپنے انتقال کرنے والے بادشاہوں کے پہاڑ جیسے مقبرے بنانے کے لیے اپنے عوام سے کس قدر ظالمانہ طریقہ سے بیگار لیا اور اس کی بناء پر ظلم وزیادتی کے ذریعہ اپنی عظمت کے نشانات قائم کرنے کی مثالیں پیش کیں، پھر اپنے دنیوی فائدوں کے لیے اپنی ماتحت اقلیتی قوم بنی اسرائیل کی شریف زادیوں کو اپنی کنیزیں بنایا تاکہ ان سے بے محابا خدمت لیں اور فائدہ اٹھائیں، اور ان کے بچوں کو عمومی طور پر تہ تیغ کرنے کا طریقہ اختیار کیا، کہ وہ بڑے ہوکر مقابلہ پر نہ آسکیں، قرآن مجید اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے: "يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحِي نِسَاءَهُمْ" (ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا) دوسری طرف قوم عاد وثمود اور عمالقہ اپنی طاقت اور زور دستی کا مظاہرہ کرتے پھرتے تھے، جس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ: "أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ، وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ، وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ" (کہ ہر جگہ پر تم کوئی شاندار یادگار تعمیر کرتے ہو اور جس کسی پر تم طاقت کا استعمال کرتے ہو تو بڑے جبار اور قہار بن کر طاقت کا استعمال کرتے ہو)۔

قرآن مجید نے ان قوموں کا ذکر غالباً اس لے کیا کہ یہ آئندہ آنے والے لوگ سمجھیں کہ آئندہ بھی خدائے واحد سے برگشتہ اور آخرت فراموش قوموں کا بھی یہی وطیرہ بن سکتا ہے۔ لہٰذا لوگ اس کو سمجھیں اور اپنے کو باطل پسندی اور نفس پرستی سے ہٹا کر خدائے واحد کے مقرر کیے ہوئے راہ مستقیم پر گامزن کریں۔ ورنہ وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوں گے۔

قرآن مجید میں قوموں کے ساتھ ساتھ افراد میں اس طرح کے رویہ کی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں، جو زیادہ تر بنی اسرائیل کے افراد کی ہیں جب ان کا شروع کا اچھا زمانہ گذر جانے کے بعد ان کے بہت سے لوگ نفس پرستی اور دنیا طلبی میں مبتلا ہونے لگے اور بد دیانتی اور خود غرضی اور ناانصافی کے مرتکب ہوئے جو کہ دنیا سے ان کی نفس پرستانہ محبت والفت کی وجہ سے اور خواہش نفس کی تابعداری میں ہوا۔ قرآن مجید میں یہ سب باتیں محض تاریخ بتانے کے لیے نہیں دی گئیں بلکہ یہ اس لئے بیان کی گئیں کہ آنے والی قومیں اور ان کے افراد سبق لیں اور اپنی زندگیوں کو صحیح رخ دیں، اور وہ صحیح رخ پروردگار عالم کی ناراضی کے ڈر اور آخرت میں جزاء وسزا کے تصور سے جڑا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ جب انسانی معاشرے میں خرابیاں بہت عام اور بھیانک حد تک پہنچ جاتی ہیں تو پورا معاشرہ غضب الٰہی کا شکار ہوتا ہے، اور بعض وقت اس کا اثر پورے معاشرے کی مکمل تباہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ انسان عموماً اپنی طاقت و دولت کے نشے میں ان حقائق سے چشم پوشی کرلیتا ہے۔ جس کا خراب انجام اس کو بعد میں جھیلنا پڑتا ہے۔

قرآن مجید نے بہت سے واقعات اسی سلسلہ کے بیان کیے ہیں، اور ان کا مقصد خدائے واحد پر ایمان رکھنے والوں کو توجہ دلانا ہے، ان میں سے بعض واقعات برسر اقتدار نسل کے ماتحت نسلوں کو دبانے اور نظر انداز کرنے کے ہیں، بعض واقعات اصحاب اقتدار کی طرف سے اپنی رعیت کے ساتھ ظلم وحق تلفی اور استحصال کرنے کی صورت میں سامنے آتے ہیں اور بعض واقعات اہل ثروت وعظمت لوگوں کی طرف سے اپنی بیجا شان وعظمت کا مظاہر کرنے کے اور دوسروں کو اس کی خاطر پامال کرنے کے ہوتے ہیں، بعض واقعات معاشرہ میں کرپشن کے عام ہوجانے اور اپنی بیہودگی پر جرأت کے ساتھ عمل کرنے کے ہیں اور بعض واقعات بدمعاملگی اور کاروبار میں دھوکہ دہی کرنے اور ڈنڈی مارنے کے عمل عام

ہوجانے کے ہیں، ایسی قوموں کے سلسلہ میں جن میں مذکورہ بالا واقعات عام ہوئے اور ان کو سمجھانے والوں نے بہت بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے میں تبدیلی نہیں لائے، بالآخر کوئی ایسی مصیبت ان پر ڈالی گئی کہ پوری پوری نسل تباہ ہوگئی۔ کہیں زلزلہ سے، کہیں طوفان سے، کہیں کسی اور آسمانی اور زمینی آفت سے تباہی آئی، اور خدا کے حکموں کو پامال کرنے اور تکبر اور بیجا زوردستی اور زیادتی اختیار کرنے پر سزادی گئی۔

آج کی دنیا میں ایسی ساری خرابیاں موجود ہیں، اور بڑھتی جارہی ہیں۔ ان کے دور کرنے اور ان سے بچنے کی فکر کرنی مفقود ہے۔ انسانی معاشرہ کرپٹ ہوتا جارہا ہے اظہار شان وشوکت کے لیے شاندار عمارتیں، مالی منفعت کے لیے غریبوں سے استحصال کے ادارے حصول اقتدار کے لیے ہر طرح کا توڑ جوڑ طاقت وعظمت کے چھوٹے مظاہر کے اقتدار کے بل پر دوسروں کو دبانے اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے طریقے کاروبار ولین دین میں چالاکی اور دھوکہ دہی مذہبی یا نسلی بنیاد پر جور وظلم وحق تلفی وہ کون کون سی ایسی باتیں ہیں جو اس وقت کے انسانی معاشرے میں عام نہیں ہوتی جارہی ہیں، لیکن باوجود عہد حاضر کے جمہوریت اور مساوات کے دعووں اور نعروں کے اور آزادیٔ رائے اور حریت انسانی کے اعلانات کے اکثر جگہوں پر جبر واستحصال اور حق تلفی اور کمزور کو کمزور بنائے رکھنے کا سلسلہ جاری ہے، اور بعض بعض جگہوں پر تو ظلم وتعدی کی ماقبل تاریخ کی مثالیں تازہ کردی گئی ہیں، جن کی گواہی سائبیریا میں جلاوطن کئے جانے والے افراد کے حالات اور جنوبی یورپ کے اقلیتی آبادیوں کے ساتھ سفاکی برتنے اور فلسطینیوں کے ساتھ حق تلفی اور ظلم کے واقعات سے ملتی ہے۔ دنیا کے کئی متمدن ترین اور آزادی وجمہوریت کے دعویدار ملکوں میں گورے اور کالے کے درمیان ظالمانہ امتیاز کی مثالیں ابھی ذہنوں میں تازہ ہیں۔ یہ تو اجتماعی دائرے کے حالات ہیں ان کے ساتھ ساتھ انفرادی زندگی کے دائرے میں خود غرضی، بوالہوسی، چیرہ دستی اور بداعمالی کے حالات دنیا کے اکثر خطوں میں کھلے طریقے سے دیکھے جاسکتے ہیں اور اس سب پر مستزاد یہ کہ خوف خدا کا فقدان اور آخرت کی جزاء وسزا سے مکمل بے نیازی صورت حال کو اور زیادہ خراب اور قابل مواخذہ بنارہی ہے۔ ایسی صورت میں غضب الٰہی کا کسی وقت آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ ان میں بھی ان میں سے متعدد خرابیاں کھلے طریقہ سے دیکھی جاسکتی ہیں یہ سب بہت ڈرنے کی اور خطرہ محسوس کرنے کی باتیں ہیں، پروردگار عالم یہ سب دیکھتا ہے اور ان باتوں کو جو ظلم وجبر اور خدائے واحد کے احکامات سے روگردانی اور آخرت کی جزاء وسزا سے بے پرواہی کی صورت میں ظاہر ہوتی جاتی ہیں سخت ناپسند کرتا ہے، لیکن اس کی طرف سے مہلت اور اصلاح کرلینے کا موقع دینے کا معاملہ ہے تاکہ خطاکار لوگ مہلت سے فائدہ اٹھاکر اپنے کو درست کریں لیکن وہ اگر مہلت سے نہ فائدہ اٹھائیں اور نہ سمجھانے سے مانیں اور اپنی اصلاح نہ کریں تو ان کے لیے پھر پکڑ اور عذاب ہے۔

اولاً رہبران اخلاق و مذہب کی ذمہ داری ہے کہ خدا کا خوف دلائیں اور آخرت کی فکر سے ڈرائیں اور حالات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دلائیں۔ قائدین ملک کی ذمہ داری ہے کہ بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں، اور ایسی زندگی استوار کرنے کی طرف توجہ کریں جس میں امن ہو آپسی رواداری اور ہمدردی ہو، انسانیت کی قدروں کی پاسداری ہو، اور اپنے رب واحد کے احکام کی تابعداری ہو، تاکہ ملک و ملت چین وراحت امن وخوشحالی سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہو اور صحیح انسانی معاشرہ قائم ہوسکے۔

☆☆☆☆☆

گناہ اور شریعت میں مداخلت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مسلم مطلقہ عورت کے تئیں یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ مسلم معاشرہ اور ہمارے ملک کے غیر مسلم معاشرے، سماج، خاندانی زندگی اور ماحول اور اسی کے ساتھ دونوں فرقوں کے مذہبی قانون وآئین میں ایک فرق ہے، جس کو ملحوظ رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ اسلام اور مسلمانوں میں عورت کی شادی ہوجانے کے بعد وہ اپنے خاندان، والدین اور بھائیوں سے کٹ نہیں جاتی اور نکاح وطلاق دونوں حالتوں میں خاندان کے ایک ایک فرد ماں باپ (اگر وہ زندہ ہیں) کی بیٹی اور بھائی بہنوں کی بہن ہوتی ہے، وہ ترکہ (Heritage) اور جائداد میں اس پورے حصہ کی مستحق ہوتی ہے جو شریعت اسلامی نے مقرر کردیا ہے، اور جس کا قرآن مجید میں ذکر اور اس کے دینے کی تاکید ہے اور وہ شرعاً و قانوناً اس کا مطالبہ کرسکتی ہے اور شرعی عدالت اس کے حق میں فیصلہ کرے گی، اس کے خلاف جو عمل کیا جائے گا، وہ گناہ اور شریعت میں مداخلت بلکہ اس سے بغاوت ہوگی۔ ☆☆☆

فکر معاصر

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی نگاہوں میں تمام قدیم افکار و نظریات اور دیرینہ قدریں قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی ہیں، اور وہ انسان جو گذشتہ زمانہ میں بادشاہوں اور حکمرانوں کے غیظ وغضب کے سایہ میں زندگی کے لمحات گذارتا تھا، آج وہ اس ترقی یافتہ اور سائنسی اور صنعتی دنیا کے اندر قدیم تہذیب کے دلدل سے نکل کر کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اور زندگی کے دوسرے شعبہ جات میں حصول متاع کے لیے تگ ودو کرتا نظر آرہا ہے۔

اہل مغرب کا اقوام عالم کو یہ باور کرانے کی کوشش کہ انسان کی ترقی اور فلاح اسی میں پنہاں ہے کہ وہ قدیم تہذیب وتمدن کو پس پشت ڈال دے اور زمانے کے بدلے ہوئے اصول میں وہ اپنے روشن وتابناک مستقبل کو تلاش کرے، زمانے کی ہر نرم وگرم چیز کو قبول کرتا جائے، اور دنیاوی جاہ ومتاع کے حصول کے لیے اسلام کے چھوڑے ہوئے ورثہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ خیر باد کہہ دے، اس بے بنیاد وغلط نظریہ کے تحت اہل مغرب اوران کے رنگ میں رنگنے والے لوگ اسلام کے علمبرداروں اوراس کے نام لیواؤں کو جو اسلامی تہذیب وثقافت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، اور اسے حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں، انسانی سوسائٹی کے لیے ہمہ وقت ایک خطرہ سمجھ رہے ہیں، اور اسلامی تہذیب وتمدن کو ایک جاہلانہ تصور خیال کررہے ہیں، اورلوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت و عداوت کا بیج بوتے رہتے ہیں اور اسلام سے رشتہ رکھنے والے کو احمق، جاہل اور قدامت پرست کے نام سے یاد کرتے ہیں، اہل مغرب کی یہ دریدہ دہنی اور شیدائیان اسلام کے خلاف اس پروپگنڈے نے ان کے درمیان حقیقت کا ایسا لبادہ پہن لیا ہے کہ جس سے نکل کر اسلام کے بارے میں کچھ سوچنا اور سمجھنا ان کی نسل کے لیے ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگیا ہے، لیکن نائن الیون کے واقعہ نے جس میں اہل مغرب نے اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کے لیے پوری طاقت جھونک دی اور بساط اسلام کو سمیٹ کر ایک گمنام وادی میں پھینک دینے کی بھرپور کوشش کی اوراس پر قدامت و جہالت کا ایسا تیر ونشتر چلایا کہ اس رویہ نے خودان کے مابین اسلام کی حقیقت اوراس کی تاریخ وثقافت کو سمجھنے کے لیے ان کے دلوں میں جوش وولولہ پیدا کردیا، ان کے ذہن ودماغ میں رہ رہ کر یہ سوال اٹھنے لگا کہ آخراس کے ماننے والوں کے اصول و قواعد کیا ہیں؟ اس کے لانے والے کی تاریخ کیا ہے؟ دورِ حاضر میں اس کی افادیت کہاں تک ہے؟ اور کس قدر زندگی کے لیے منفعت بخش ہے؟ یہی وہ سوال تھا اور یہی وہ خلش تھی جس نے اہل یورپ کو نگاہ حقیقت سے تاریخ اسلامی کو دیکھنے پر مجبور کیا، اس کی تہذیب وثقافت کو کھنگالنے پر انھیں آمادہ کیا، اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کو معلوم کرنے کا ان کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کردیا، چنانچہ اس واقعہ کے بعد یورپ کی ایک کثیر تعداد نے تاریخ اسلامی کے ذخیرے کی ورق گردانی کی، اوراس کی تہذیب وثقافت کو چشم حقیقت سے دیکھا، اس کے پیغمبر کی پاکیزہ زندگی کی سچائیوں اور خوبیوں کو جاننے کی بھرپور کوشش کی جس کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ اسلام ہی سارے درد کا درماں اور تمام ذہنی بیماریوں کا علاج ہے، وہ سسکتی بلکتی انسانیت کے لیے ایک حیات بخش پیغام رکھتا ہے، وہ کمزور وبے بس، مظلوم ومجبور انسانوں کی آخری پناہ گاہ ہے، اس کے پاس ہر پریشانی کا ایک بہترین حل اور ہر تشنگی کو بجھانے کے لیے چشمۂ صافی ہے، لہٰذا مذہب اسلام کے اس معروضی مطالعہ کے نتیجہ میں ان کے ذہن ودماغ پر شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کی جمی ہوئی تہیں چھنٹ گئیں اور وہ اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر بے اختیار اس کے کشور نور کی جانب لپک پڑے، اوراس کی کرنوں سے اپنے ظلمت کدوں کو روشن کردیا، ان کے دلوں کی سردانگیٹھی کو گرمادیا، ان کے احساسات ورجحانات کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور آج ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یورپ، امریکہ، فرانس اور ڈنمارک میں اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بہت عزت واحترام سے لیا جانے لگا اوران کے باشندے ان الفاظ سے مانوس ہونے لگے، اور دانشوارانِ فرنگ مذہب اسلام اوراس کے مقدس رسول کی پاکیزہ زندگی کو مسخ کرنے کے لیے جو حربہ استعمال کرتے رہتے ہیں، وہ خود انھیں کے گلے کی پھانس بنتا جارہا ہے، اور انھیں کے معاشرہ کے لیے خطرناک ثابت ہورہا ہے، اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے ماضی کے ریکارڈ پر ایک نظر ڈالئے آپ کو بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ خرمن اسلام کو پھونکنے کے لیے ایندھن جمع کرنے والے مطلع تاریخ پر پاسبان اسلام کی صورت میں جلوہ گر ہوئے بقول شاعر:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چنانچہ ڈنمارک سے شائع ہونے والا کارٹون جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر کو شائع کیا گیا تھا، اور اس پر تمام مسلم ممالک نے احتجاج کیا، یہ خود یورپ میں اور خاص طور سے ڈنمارک کی سرزمین پر اسلام کی نشر واشاعت کا ذریعہ بن گیا، اور وہاں کے باشندے اسلام کی طرف مائل ہونے لگے، اور اس کے سایہ میں زندگی کے لمحات گذارنے کے لیے بیتاب و بے قرار ہونے لگے، اور یہ ایک انکشاف ہے کہ فرانس کے اندر مسلمانوں کی تعداد میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے، اسی کو کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

عصر حاضر میں یورپ کے تعلق سے ماہرین نفسیات نے ایک ایسی عقلی اور دماغی بیماری کی جراثیم (اسلام فوبیا) کا انکشاف کیا ہے کہ اس مرض کا شکار انسان اسلام کی نفرت کی آگ میں خود بخود جھلسنے لگتا ہے اور اس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتا ہے، اسی گھناؤنی ذہنیت نے اہل یورپ کو اسلام کے اندر ایسی تبدیلیاں کرنے کے مطالبہ پر آمادہ کیا جو اسلام، عصر حاضر اور ترقی یافتہ دور اور ترقی یافتہ انسان کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ ہو، بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب اسلام سے یورپ کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے تمام قدیم امتیازات و تشخصات کو پامال کر کے موجودہ یورپ کی سفاک مادی تہذیب کے رنگ میں اپنے کو رنگ دیں، یہ ایک ایسی تجویز اور ایسا مطالبہ ہے کہ جس کی بنیاد پر اسلام کی حیثیت اس پیر فرتوت کی رہ جاتی ہے جو عہد شباب اور بہار کے لمحے گذار کر اب خانہ نشینی پر مجبور ہے اور جس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اسلام کے خلاف دلوں میں پنپنے والا یہ قہر آلود حسد صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ دیگر مذاہب کی مشرکانہ اور جاہلانہ رسم و رواج اور خود ساختہ ادیان کی شہ رگ کو کاٹ کر اور وحدانیت کا پرچم لہرا کر ساری انسانیت کو اسلامی شریعت کے اس لازوال کینوس میں لانے کے لیے کوشاں ہے جو عالم بشری کے لیے ابر کرم کی مانند ہے اور ہر ہر موڑ پر انسانی زندگی کے لیے درد کا درماں فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مذہب اسلام سے اسلام دشمنوں کی نفرت و عداوت یہ کوئی عہد جدید کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ یہ وہ دیرینہ بیماری ہے جو یہود و نصاریٰ کو گھن کی طرح کھا گئی جس کی شہادت خود کلام پاک میں موجود ہے: "وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ" [سورہ بقرۃ: ۱۲۰] یہود و نصاری ہرگز ہرگز آپ سے خوش نہیں ہو سکتے تا آنکہ آپ ان کے دھرم کو اپنا لیں، کیسی نا سمجھی ہے کہ یورپ اس اسلام کے نام سے تھرا رہا ہے جو صدق و صفا، اخلاص و وفا، عبادت و طاعت اور اچھے اعمال کا داعی اور نقیب ہے، اور جو ظلم و زیادتی، اخلاقی امراض، محارم و رذائل اور غلط طریقے سے لوگوں کے مال کو کھانے اور ہڑپ کرنے پر قدغن لگاتا ہے، یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جو سماج کو اور انسانی زندگی کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک کر کے پاکیزگی اور طہارت کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے اپنے کھلے ہوئے اور روشن راستے کی طرف بلا رہا ہے، آج وہی آنکھوں کا تنکا ہی نہیں بلکہ شہتیر اور دل کی پھانس بنا ہوا ہے: "وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ" [سورۃ أنعام: ۱۵۳] (میرا یہ سیدھا راستہ ہے، اسی پر چلو اور دوسری پگڈنڈیوں سے دور ہو کہ وہ تم کو صحیح اور سیدھی راہ سے دور کر دیں گے)۔

☆☆☆☆☆

ظالموں کی دنیا اور مظلوموں کی دنیا

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ

کہا جاتا ہے کہ پہلی، دوسری اور تیسری دنیا، میں کہتا ہوں کہ: دنیائیں صرف دو ہیں، ایک ظالموں کی دنیا، دوسری مظلوموں کی، ایک کو آزاد و ترقی یافتہ کہا جاتا ہے دوسری کو ترقی پذیر۔ کیا ترقی پذیر ملکوں کو آزادی مل گئی؟ میں کہتا ہوں کہ آزادی کی اور اصل آزادی اور مکمل آزادی کی جنگ اب شروع ہوئی ہے، انصاف، مساوات، اخوت، آزادی اور انسانی حقوق کے دعوی کرنے والوں کے مکروہ چہرے سب کو نظر آنے لگے ہیں، یہودیوں کی فریب ذہنی اور فساد انسانی کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے، عربوں کا خون بہہ رہا ہے، وہ بے دردی سے قتل کیے جا رہے ہیں؛ لیکن عالمی اداروں کو بے ضمیروں کے ضمیر نہیں جاگ رہے ہیں، اقوام متحدہ اپنی ہی قراردادوں پر عمل نہیں کروا سکی، بلکہ عالم اسلام کو سیکولرزم کے یہودی تصور کا درس دیا جا رہا ہے اور ملک میں یہودیوں کے سیاہ ایجنٹ فریب ذہنی اور فساد کے مبلغ بنے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

فکر و عمل

دوبارہ غلامی کے شکنجے میں............

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

ملک کو آزاد ہوئے ابھی اسی سال بھی پورے نہیں ہوئے کہ اس پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے، اس کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب انسانیت دشمن قوم سے یہاں کے قائدین نے دوستی کے ہاتھ بڑھانے شروع کیے تھے، یہودیوں کی سازشیں پوری انسانیت کے خلاف طشت ازبام ہیں، ان کے پروٹوکول میں سب کچھ موجود ہے، جو آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، ''سونے پہ سہاگا'' یہ کہ اب امریکہ کی فوجیں ہمارے ملک کی کمان سنبھالیں گی، جس قوم نے تجارت کے بہانے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے آکر اس ملک پر قبضہ کیا، یہاں کے خزانوں کو لوٹا، یہاں کی قوموں کو آپس میں لڑایا، اور حکومت کے آج وہ فوجی نظام کو مضبوط کرنے کے بہانے آکر کیا کیا منصوبے رکھتے ہیں، اس کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو عروج و زوال کی کہانیوں سے واقف ہے، آگے کیا ہونے والا ہے اس کو تو آنے والا وقت ہی بتائے گا، مگر اتنا بڑا جمہوری ملک جس کے پاس ایک بڑی فوجی طاقت ہے اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کا دست نگر بنے۔

امریکہ جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، معاشی اور اقتصادی طور پر اس کے حالات اندر ہی اندر دگرگوں ہیں، اپنے معاشی استحکام کے لیے دنیا کے مختلف ملکوں کو بازیچۂ اطفال بنا رہا ہے، کیپٹلزم کا یہی دستور رہا ہے کہ ہر طاقت والا اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے یا اس کو بچانے کے لیے کمزوروں کا خون چوستا ہے اس کو نہ کسی سے ہمدردی ہوتی ہے اور نہ اس کی آنکھوں میں انسانیت کا پانی ہوتا ہے، اس کا کام انسانوں میں سیاست کرنا ہوتا ہے، ظاہری طور پر اخلاق و انسانیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے، Human Rights کا بار بار حوالہ دینے والے وہ ہیں جن کے دل انسانوں کے نہیں بلکہ بھیڑیوں کے ہیں، کسی دوست نے بتایا کہ جب وہ لندن کے ایرپورٹ پر اترے تو وہاں ان کے کسی عزیز نے دکھایا کہ وہاں ایک بھیڑیئے کی تصویر بنی ہوئی تھی، اس کی طرف انہوں نے اشارہ کر کے کہا کہ یہ یہاں کا کلچر ہے، اور یہ تصویر یہاں کے مزاج کی عکاسی کر رہی ہے، دوسروں کو دھکا دے کر آگے بڑھ جانا اور ان کو کنگال کر کے اپنا پیٹ بھرنا ان لوگوں کا طریقہ ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارا ملک جو اپنے اندر اخلاقی قدریں رکھتا تھا اور دنیا کو اس نے دردو محبت کا پیغام دیا، آج وہ بھی ایسے درندوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے جو رحم کھانا نہیں چاہتے، اور اوپر سے ہمدردی کا اظہار کرنے والے بھیڑیوں کے دل رکھتے ہیں اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس منافقانہ طرز عمل کا ذکر قرآن مجید میں یہودیوں کے تذکرہ میں کیا:

''وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِماً ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ'' [آل عمران:۷۵] (اور اہل کتاب میں بعض وہ ہیں کہ آپ اگر ان کے پاس مال کا ڈھیر امانت رکھا دیں تو وہ آپ تک اس کو پہنچا دیں گے اور بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھا دیں تو وہ آپ تک اس کو پہنچانے والے نہیں سوائے اس کے کہ آپ ان کے سر پر ہی کھڑے رہیں، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہہ رکھا ہے کہ ان پڑھ لوگوں کے بارے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی اور وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ بولتے ہیں)۔

بات بات پر Thank you اور I am sorry کہنے والوں کا حال یہ ہے کہ موقع ملے تو ملکوں کو ہضم کر جائیں اور شاید ڈکار بھی نہ لیں، چیتے سے ہرن کی دوستی کیا ہے؟ جب چیتے کو موقع ملے گا وہ ہرن کو ہضم کر جائے گا، ہمارے ملک کے قائدین کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں، تاکہ یہ ملک دوبارہ غلامی کے شکنجے میں نہ چلا جائے اور یہاں کے مجاہدین آزادی نے جو قربانیاں دی تھیں کہیں وہ سب خطرہ میں نہ پڑ جائیں۔

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

شریعت کے عملی احکام کو چار حصوں میں بانٹا گیا ہے، اول عبادات یعنی وہ افعال جن کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے تعلق کا اظہار کرتا ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، دوسرے: معاشرت یعنی خاندانی اور سماجی زندگی سے متعلق قوانین جیسے والدین اور اولاد کے ایک دوسرے پر حقوق اور ذمہ داریاں، بھائی بہنوں کے حقوق، پڑوسیوں اور ہمسایوں کے حقوق وغیرہ، تیسری قسم معاملات کی ہے، یعنی مالی معاملات کی بنیاد پر دو افراد کے درمیان جو رابطہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بارے میں شرعی رہنمائی، جیسے: تاجر اور گاہک کا تعلق، مالک اور کرایہ دار کا تعلق، کمپنی اور ملازم کا تعلق وغیرہ، ان میں کس کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی اور کن کے کیا حقوق ہوں گے؟ ان کی رہنمائی، چوتھی قسم اجتماعی احکام کی ہے، جس میں سیاست، ملکی نظم ونسق، امن عامہ، عدلیہ، مجرمین پر سزاؤں کی تنفیذ وغیرہ شامل ہیں، اس چوتھے قسم کے احکام کا تعلق مسلم حکومت سے ہے، بقیہ تینوں قسم کے احکام کے مخاطب پوری دنیا کے مسلمان ہیں، اور طاقت بھر اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔

یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم اور دانا ہے، اس کا کوئی فیصلہ حکمت اور مصلحت کے خلاف نہیں ہوسکتا؛ اس لیے شریعت اسلامی کے ماہرین نے اُن مقاصد ومصالح کو متعین کرنے کی کوشش کی، جن کے گرد شریعت کے احکام گھومتے ہیں، بنیادی طور پر وہ مقاصد پانچ ہیں، اور جتنے احکام شریعت میں پائے جاتے ہیں، وہ بحیثیت مجموعی ان ہی پانچ میں سے کسی میں شامل ہیں، امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ مخلوق سے شریعت کا مقصد پانچ باتیں ہیں: دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، عقل کی حفاظت، نسل اور عزت وآبرو کی حفاظت اور مال کی حفاظت، جس عمل سے یہ مقاصد حاصل ہوں، وہ اسلام کی نظر میں مصلحت ہے، اور جن باتوں سے ان مقاصد کو نقصان پہنچے، وہ فساد ہے [المستصفیٰ: ج ۲/ص ۴۸۲] اور شریعت اسلامی کے ایک بڑے فلسفی اور اسلام کے اصول قانون کے صاحب نظر تجزیہ نگار علامہ ابو اسحاق شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ ان مقاصد کے مطلوب ہونے پر پوری امت مسلمہ بلکہ تمام امتوں کا اتفاق ہے، اور اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔

[الموافقات: ج ۱/ص ۸۳]

ان پانچوں مقاصد پر بے شمار قرآنی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات موجود ہیں، اور اسی پر پورے فقہ اسلامی کی اساس ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دین کی حفاظت تو ضروری ہے ہی؛ لیکن جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ بھی طاقت بھر ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، جہاں ان مقاصد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو، وہاں پہلے سے احتیاط ضروری ہے، اور جہاں صورت حال بگڑ جائے، شر پسند عناصر کی طرف سے ان میں سے کسی پر حملہ ہوجائے، تو اپنی طاقت کے مطابق شر پسندوں کا مقابلہ اور اپنا دفاع بھی ایک شرعی فریضہ ہے، اگر کوئی جان ومال، عزت وآبرو کے درپے ہوجائے، دینی مقدسات پر حملہ آور ہو تو بچاؤ اور روکنے کی کوشش کرنا یہ بھی بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے، اگر اس بات میں کسی کی جان چلی جائے تو اس کے لیے شہادت کا اجر ہے، اور کسی کا مال چلا جائے تو یہ بہترین صدقہ اور اعلیٰ درجہ کی قربانی ہے، اکثر مقامات پر مسلمان فطری طور پر اس کی کوشش کرتے ہیں، جہاں قانون کی طاقت استعمال کرنا ممکن ہوتا ہے، وہاں پولیس اور عدالت کے ذریعہ دفاع کرتے ہیں، اور جہاں مجبور ہوجاتے ہیں، وہاں جو طاقت میسر ہے، اس کا استعمال کرتے ہیں، جس کی اجازت قانون بھی دیتا ہے، اور شریعت بھی۔

لیکن ملک کے موجودہ حالات میں بہت زیادہ پیشگی احتیاط والی تدبیروں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس طرح ہم فساد کی بہت سی شکلوں کو ٹال سکتے ہیں، جان ومال کے نقصان کو روک سکتے ہیں، اور امن وامان کو قائم رکھ سکتے ہیں، اسی سلسلے میں حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بعض تدابیر ذکر کی جاتی ہیں:

۱- کوشش کرنی چاہیے کہ نئی مسجدیں عین گزر گاہ پر رکھنے کی بجائے کسی قدر اندر مسلم آبادی کے درمیان بنائی جائیں، جو مسجدیں بن چکی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو اب ہٹایا نہیں جا سکتا ہے، عام گزر گاہوں پر خاص کر جو ہندو مسلم ملی جلی آبادیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو، شر پسندوں کی

طرف سے مسجدوں کی اہانت کا کافی اندیشہ رہتا ہے، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورا محلہ غیر مسلم بھائیوں کا ہے، مسلمانوں کے دو تین گھر ہیں، اور وہاں دینی جذبہ کے تحت مسجد بنادی گئی؛ لیکن اب ان مسجدوں کی حفاظت مشکل ہوگئی ہے، اور وہاں آئے دن اہانت کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اسی طرح جو مسجدیں عام گزر گاہوں سے متصل ہیں، اگر جگہ کی گنجائش ہو تو کوشش کرنی چاہیے کہ ان مسجدوں کے گرد ایک مضبوط احاطہ بنادیا جائے؛ تاکہ ان کی حفاظت آسان ہوسکے۔

۲- عدالت کے بعض فیصلوں کا سہارا لے کر بعض ریاستوں میں اذان کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر تحدیدات عائد کی گئی ہیں، مثلاً مائک پر فجر کی اذان دینے کو منع کیا گیا ہے، یا آواز کی ایک خاص حد رکھنے کی ہدایت دی گئی، ہمیں ایسی جگہوں میں قانون کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے، اور جب تک حکومت خود اس میں گفت وشنید کی بنیاد پر ترمیم کے لیے تیار نہ ہوجائے، اپنی چاہت پر اصرار نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مائک پر اذان دینا اور بہت بلند آواز کے ساتھ دور دور تک آواز پہنچانا شریعت کا حکم نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے دور میں تو مائک ایجاد ہی نہیں ہوا تھا، لوگ بغیر مائک کے ہی اذان دیا کرتے تھے، تو اب مائک اور اس میں بلند آواز کے استعمال پر ایسا اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ مسجد کی حرمت کے پامال ہونے اور مسلمانوں کے جان ومال کو نقصان پہنچے کا خطرہ پیدا ہوجائے۔

۳- مسجد بنانا بہت نیکی کا کام ہے، اور مسلمان بستیوں میں مسجدیں ہونی چاہئیں، یہ ہماری دینی شناخت ہے؛ لیکن بازاروں میں اور سرِ راہ یا غیر مسلم کالونیوں میں بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کی بجائے مصلیٰ بنا دیا جائے، اور لوگ وہاں نماز باجماعت ادا کیا کریں، یہ عمارت مسجد کے حکم میں نہیں ہوگی، اس کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی گنجائش ہے اور دوسرے جائز مقاصد کے لیے بھی اس کا استعمال درست ہے، مسجد شرعی کی نیت کرنے کے بعد مسجد کے تمام احکام اس جگہ سے متعلق ہوجاتے ہیں، اور بہت سی دفعہ ان کو برقرار رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

۴- مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں حکومت اور قانون کی اجازت کو ملحوظ رکھنا چاہیے، جہاں مسجد بنانی ہو، وہاں اس کی قانونی ضرورتوں کو پورا کیا جائے، سرکاری انتظامیہ سے اجازت حاصل کی جائے، اور خود تعمیر کے سلسلے میں بھی جو حکومت کے قوانین ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے، یہ نہ صرف مسجد کے لیے ضروری ہے؛ بلکہ مدارس اور دینی مقاصد کے لیے کی جانے والی تمام تعمیرات کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ بعد میں نقصان، رسوائی اور مذہبی مقامات کی اہانت کی نوبت نہ آئے۔

۵- ملک کا دستور ہمیں اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے؛ اس لیے ایسا نہیں ہے کہ مدرسہ قائم کرنے کے لیے حکومت کی اجازت ضروری ہو، یا اس کا رجسٹریشن کرانا لازمی ہو؛ لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے یہ بات مناسب ہے کہ کسی ٹرسٹ اور سوسائٹی کے تحت ہی مدارس کا نظام ہو، اس میں قانونی حفاظت بھی ہے، یہ مالی خرد برد اور خیانت کو روکنے کے لیے بھی ضروری ہے اور شریعت میں اجتماعی کاموں کے لیے جو شورائیت مطلوب ہے، اس کے ذریعہ وہ مقصد بھی حاصل ہوسکے گا؛ اس لیے مدارس کے انتظام وانصرام میں شورائیت پیدا کرنی چاہیے، اور اس شورائی نظام کو قائم کرنے کے لیے ان کو رجسٹرڈ کرانا چاہیے، اس میں کوئی برائی نہیں ہے، یہ خود مدارس کے لیے ہی مفید ہے۔

۶- تعلیمی اداروں کے بارے میں حکومت کے کچھ قوانین ہیں، جن کا مقصد طلبہ کے لیے سہولت پیدا کرنا ہے، جیسے کلاس روم کا سائز، کھیل کا میدان، لائبریری، لوگوں کی تعداد کے لحاظ سے بیت الخلاء وغیرہ، یہ قوانین اصلاً کسی طبقہ کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں؛ بلکہ اساتذہ اور طلبہ کی سہولت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، مدارس کو پہلے سے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ ہمارے مفاد میں ہیں، یہ اور بات ہے کہ حکومت خود اپنے اسکولوں میں اس معیار کو پورا نہیں کرتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض دفعہ امتیازی طور پر مسلمانوں کے خلاف ان قوانین کا استعمال کیا جاتا ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے ہمارے لیے لاقانونیت کا جواز پیدا نہیں ہوتا ہے، بالخصوص ایسی لاقانونیت جو انجام کار ہمارے ہی لیے نقصان دہ ہو۔

۷- اب قبرستانوں پر بھی قبضہ اور اس پر مندر بنانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے بڑے شہروں میں قبرستان کی کمی محسوس کی جاتی ہے؛ اس لیے قبرستانوں کی حصار بندی اور جہاں ضرورت محسوس ہو، وہاں چاروں طرف چھوٹی موٹی دوکانوں کی تعمیر؛ تاکہ وہ احاطہ بھی بن جائے، قبرستان کے لیے آمدنی کا ذریعہ بھی ہوجائے اور اس آمدنی کو لاوارث اور غریب مسلمانوں میتوں کی تجہیز وتکفین کے لیے استعمال

کیا جائے تو بہتر ہوگا، اس طرح اس کے ذریعہ کئی مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۸- جان کی حفاظت کے لیے ایک احتیاطی تدبیر یہ ہے کہ مسلم محلوں میں آباد ہونے اور اپنی الگ آبادیاں قائم کرنے کی کوشش ہو، اگر چہ اس میں بعض نقصانات کا بھی اندیشہ ہے؛ لیکن زندگی کی حفاظت ان نقصانات سے کہیں زیادہ اہم ہے، اور حدیث میں بھی یہ بات پسند کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ماحول میں بود و باش رکھنی چاہیے، اس میں جان و مال کے علاوہ اپنی تہذیب کی بھی حفاظت ہے۔

۹- مسلمانوں کی جو دوکانیں مخلوط آبادی کے محلوں میں ہوں، یا عام راہ گزر پر واقع ہوں، مناسب ہوگا کہ وہ ان کا انشورنس کرالیں؛ تاکہ کوئی حادثہ پیش آنے پر کچھ نہ کچھ تلافی ہو سکے، جہاں جان و مال کو سخت خطرہ در پیش ہو، وہاں ہندوستان کے علماء نے انشورنس کرانے کی اجازت دی ہے، اگر واقعی وہ خطرہ پیش آئے تو انشورنس کی پوری رقم ان کے لیے جائز ہوگی، اور اگر ایسا نہیں ہوا اور کسی اور وجہ سے نقصان ہوا تو انشورنس کمپنی کی طرف سے ادا کیے جانے والے پیسوں میں سے اپنے نقصان کے بقدر پیسہ لینا جائز ہوگا اور اس سے زیادہ رقم کو غرباء پر یا رفاہی کاموں میں خرچ کرنا واجب ہوگا؛ مگر اس کا یہ فائدہ ہے کہ ایک غریب تاجر فوری طور پر اپنے روزگار سے محروم نہیں ہو جاتا۔

۱۰- جان کی حفاظت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جہاں سے گزرنے میں خطرہ ہو یا خصوصی حالات کی وجہ سے بدمعاشوں اور شر پسندوں کے حملے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں اس راستہ سے گزرنے سے بچا جائے، جیسا کہ ابھی کانوڑ یاترا کی وجہ سے دہلی سے ہریدوار تک مسلمانوں پر حملہ کے بہت سے واقعات پیش آئے، جانیں بھی گئیں، گاڑیاں بھی جلائی گئیں، اور پیسے بھی لوٹ لیے گئے، جب حالات مخدوش ہوں تو ایسے راستوں سے گزرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے؛ اس لیے خود ہی اس سے بچنا چاہیے۔

۱۱- اس وقت مسلمان لڑکوں کی غیر مسلم لڑکیوں کے ساتھ شادی کے واقعات بھی کثرت سے پیش آرہے ہیں، یہ شادیاں جان اور ایمان دونوں سے محروم کرنے کا باعث بن رہی ہیں، اس کے لیے احتیاطی تدبیر بہت ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ مخلوط تعلیمی اداروں میں مسلمان اپنی بچیوں کو پڑھانے سے گریز کریں اور جہاں ملے جلے ماحول میں لڑکیوں کو ملازمت دی جاتی ہے، وہاں ملازمت کرنے سے بھی روکیں، تعلیم اور ملازمت کا مخلوط ماحول ہی ۸۰/ فیصد سے زیادہ اس برائی کا سبب ہے، اسی طرح لڑکیوں کو یا تو موبائل یا لیپ ٹاپ نہیں دیں اور اگر کسی خاص ضرورت کی وجہ سے دینا پڑے تو سخت نگرانی رکھیں، مسلسل موبائل چیک کرتے رہیں اور اس کو کُھلا رکھیں، لاک کرنے سے منع کریں، اس طرح ہم بہت سے ناخوشگوار واقعات کو روک سکتے ہیں۔

۱۲- ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے، جس میں دستور کی رو سے کسی کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اس وقت اسکولوں میں مشرکانہ ترانے بھی پڑھائے جارہے ہیں، ہنومان چالیسہ بھی پڑھایا جا رہا ہے، اور مختلف مشرکانہ رسوم بھی ادا کیے جارہے ہیں، ان کا حل یہی ہے کہ ہم خود زیادہ سے زیادہ اسکول کھولیں، مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں ہی اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں، اور جہاں اس میں دشواری ہو، وہاں اچھے معیاری کوچنگ سینٹر قائم کیے جائیں، بچے یہاں سے پڑھ کر پرائیویٹ طور پر یا کسی منظور شدہ اسکول کے واسطہ سے امتحان دیا کریں۔

۱۳- سخت افسوس کی بات ہے کہ حکومت جس کا بنیادی کام انصاف قائم کرنا ہوتا ہے، وہ کھلّم کھلاّ ناانصافی اور ظلم پر کمر بستہ ہے، ایک ہی محلّہ اور ایک ہی کالونی میں کالونی بنانے والا قانونی تقاضوں کو پورا کیے بغیر پلاٹ بیچتا ہے، ہندو مسلم سب پلاٹیں خرید کرتے ہیں، پھر زندگی بھر کی بچی پونجی کو جمع کرتے ہیں، اور مکان بناتے ہیں، اور فرقہ پرست حکومت اپنے بلڈوزروں کے ساتھ آتی ہے، اور خاص طور پر مسلمانوں کے مکانات کو مشخص کر کے ان کو زمین بوس کرتی ہے، ان حالات میں ضروری ہے کہ جو زمین لی جائے، اچھی طرح اس کی قانونی حیثیت کی تحقیق کی جائے، اور بغیر رجسٹری کے زمین نہیں خریدی جائے، اور پھر تعمیر کی باضابطہ اجازت حاصل کر کے ہی تعمیر کی جائے، تعمیر کے بعد مکان نمبر حاصل کیا جائے اور بجلی کا میٹر اور لائٹ کا اجازت نامہ حاصل کیا جائے۔

غرض کہ ملک کے موجودہ حالات میں ہمیں آپ اپنی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے اور ایسی احتیاطی تدبیریں کرنی چاہیے کہ فتنہ و فساد پیش ہی نہ آئیں اور اگر پیش آئے تو پھر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

اخلاق عالیہ

ایمان وعزیمت کے تابندہ نقوش

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

کچھ نمونے آج آپ کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور کچھ انہی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والے تابعین عظام کے، کیسی تھی ان کی زندگی؟ کیا تھے ان کے حالات؟ کتنا تھا ان کے یہاں اہتمام عبادتوں کا؟ کتنا تھا خیال ان کو سنتوں کو اپنانے کا؟ کتنی تھی فکر ان کو آخرت کی؟ اور کیا حیثیت تھی ان کی نظروں میں دنیا کی؟! احتیاط کا ان کے کیا عالم تھا؟ رضائے الٰہی کا شوق ان پر کتنا غالب تھا؟ صبر ان کا کس پایہ کا تھا؟ وعدۂ خداوندی پر انہیں کتنا یقین تھا؟ اجر وثواب کے حصول کا جذبہ ان پر کتنا طاری تھا؟ دل ان کے کتنے صاف تھے؟ زبان ان کی کتنی پاک تھی؟ عزائم ان کے کتنے بلند تھے؟ خیالات ان کے کتنے اعلیٰ تھے؟ زندگی ان کی کتنی سادہ تھی؟ نظریں ان کی کتنی پاکیزہ تھیں؟ آخرت کی فکر ان پر کتنی غالب تھی؟ دنیا کا خوف ان پر کتنا طاری تھا؟ اخلاق کا ان کے کیا عالم تھا؟ نیتوں کا ان کی کیا معیار تھا؟!

بزرگوں کی بزرگی اپنی جگہ، اولیاء کی ولایت کا اپنا مرتبہ، اور صحابیت کا شرف تو اس کا کہنا ہی کیا، دیکھئے زبان نبوت ان کے بارے میں کیا کہتی ہے:

''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے''۔

''میں نہیں جانتا کہ اب کتنی مدت مجھ کو تمہارے درمیان رہنا ہے۔ چنانچہ میرے جانے کے بعد میرے بعد آنے والوں کی اقتداء کرنا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے اشارہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی طرف) اور عمار بن یاسر کے راستہ پر چلنا اور عبداللہ بن مسعود جو کچھ تم سے کہیں اس پر یقین کرنا۔

آئیے اب دیکھیں کتاب الٰہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہتی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

۱-''وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ''[الحشر:۹] (وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں، ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کا نقصان ہی کیوں نہ ہو)۔

ایثار وقربانی کے ایک دو نمونے ملاحظہ ہوں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے: اے اللہ کے رسول! بھوک لگی ہے، رات کا وقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے پاس پوچھواتے ہیں کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا ہے کچھ بھی نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: آج کی رات اس کی مہمان نوازی کون کرے گا؟ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: اے اللہ کے رسول! میں کروں گا، گھر لے جاتے ہیں، کھانا اتنا مختصر کہ خود کھالیں یا مہمان کو کھلا دیں، بیوی سے کہتے ہیں کہ بچوں کو کسی طرح سلا دو، اور چراغ گل کر کے کھانا مہمان کے آگے لگا دو، بیٹھیں گے ہم بھی؛ لیکن کھانے کے لیے نہیں، صرف یہ تاثر دینے کے لیے کہ کھانے میں ہم بھی شریک ہیں، کھانا کم ہے، اگر ہم بھی شریک ہوگئے تو مہمان کا پیٹ نہیں بھر پائے گا، چراغ گل کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ مہمان شکم سیر ہو کر کھائے گا اور اسے یہ احساس نہیں ہو پائے گا کہ ہم نے کھانا نہیں کھایا۔[صحیح بخاری]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار ہیں، انگور کھانے کی خواہش ہوتی ہے، ایک درہم میں انگور کا ایک خوشہ خرید کر لایا جاتا ہے، ہاتھ میں وہ خوشہ آ بھی نہیں پاتا کہ ایک سائل آ پہنچتا ہے، حکم ہوتا ہے کہ انگور کا وہ خوشہ اس سائل کو دے دیا جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روزہ سے ہیں، گھر میں صرف ایک روٹی ہے جو افطار کے لیے بچا کر رکھی گئی ہے، دروازہ پر سائل صدا لگاتا ہے، خادمہ کو حکم ہوتا ہے کہ روٹی اس کو دیدی جائے، خادمہ نے عرض کیا کہ آپ روزہ سے ہیں، سحری بھی بہت مختصر تھی، بغیر افطار کے آپ رات کیسے گذاریں گی، حکم ہوتا ہے پھر بھی دیدو۔

۲-''تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ'' (ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمونہ ملاحظہ ہو، ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں، رات کا اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا، آسمان پر چمکتے ستارے بھی اپنے چہرے پر سیاہ نقاب ڈال چکے تھے، میں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی محراب میں کھڑے تڑپ رہے ہیں، بلک بلک کے رو رہے ہیں، گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگ

رہے ہیں اور دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں ، اے دنیا! میں نے تجھ کو تین طلاق دیں، تعلقات کی بحالی کا اب کوئی امکان نہیں، عمر تیری بہت مختصر، زندگی تیری نہایت حقیر اور خطرہ تیرا بہت بڑا، آہ! سفر کتنا طویل ہے، راستہ کتنا ویران ہے،اور زادِ سفر کتنا مختصر ہے۔

[صفۃ الصفوۃ: ابن جوزی]

حضرت علی رضی اللہ عنہ،کون ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، چہیتے داماد ہیں، ایمان لانے والے خوش نصیب بچوں کی فہرست میں سب سے اوپر آپ کا نام ہے؛ لیکن حال پھر بھی یہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں، مسجد کے ایک گوشہ میں تنہائی کی حالت میں رب کریم کے سامنے گریہ وزاری کا یہ عالم ہے کہ سننے والے کا دل پھٹا جاتا ہے۔

۳-”أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ“ (وہ کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں)۔

کفار کے مقابلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سخت ہونا ہر ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر تو خصوصیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس صفت کا اظہار ہوا، باقی اس کی سب سے اعلیٰ مثال تو اس موقع پر سامنے آتی ہے جب بدر کے قیدیوں کا معاملہ صحابہ کرامؓ کے سامنے لایا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، رائے کے اظہار کا سب کو موقع دیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب باری آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: حضور! آپ مجھے اجازت دیں کہ ان قیدیوں میں اپنے سب سے قریبی رشتہ دار کا سر اپنی تلوار سے قلم کروں، حضرت علیؓ کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب کا سر تن سے جدا کریں، حضرت حمزہؓ کو اشارہ کریں کہ وہ ان قیدیوں میں سے اپنے بھائی کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھائیں۔

۴-”رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ (وہ آپس میں بڑے مہربان ہیں)۔

انصار ومہاجرین کے درمیان ہوئی مواخاۃ ”رحماء بینھم“ کا جیتا جاگتا ثبوت ہے،انصار نے اپنی ہر چیز میں مہاجرین کو شریک ہونے کی دعوت دی، مکان میں ان کو شریک کیا، جائداد میں ان کو حصہ دار بنایا، کاروبار میں ان کو شامل کیا، یہاں تک کہ جن کے پاس ایک سے زائد بیویاں تھیں انہوں نے مہاجرین کے سامنے یہ پیشکش رکھی کہ اگر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو ان کی خاطر وہ اپنی اس بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں، تاکہ وہ اس سے نکاح کرسکیں،اور یہ سب انہوں نے صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کیا۔

عبادات کا اہتمام

نماز کا وقت ہے، کسی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوگئی تو اس کی سزا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو اس طرح دی کہ دو لاکھ درہم کا ایک باغ جو انہیں بہت عزیز تھا، صدقہ کردیا۔

ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ بھی ایک مرتبہ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے اس کی تلافی کی شکل یہ نکالی کہ اس دن پوری رات نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے ہیں، باغ اتنا گھنا کہ دن میں بھی رات کا گمان، ایک چڑیا نہ جانے کیسے اندر آگئی اور ایسی پھنسی کہ پھڑ پھڑاتی رہی؛ لیکن نکل نہ سکی، چڑیا کے پھڑ پھڑانے سے حضرت طلحہ کی یکسوئی میں خلل پڑا، نماز میں جو خشوع ہوا کرتا تھا اس میں کچھ فرق آیا، کسی طرح نماز ادا کی اور فارغ ہوتے ہی باغ یہ کہہ کر صدقہ کردیا کہ اس کی وجہ سے میری نماز میں خلل پڑا۔

احتیاط کا عالم

۱-حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گشت فرمارہے تھے، راستہ میں آپ کا گذر اونٹوں کی ایک چراگاہ سے ہوا، ایک اونٹ آپ کو دوسرے اونٹوں کے مقابلہ کچھ زیادہ ہی فربہ نظر آیا، پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا: آپ کے صاحبزادہ عبداللہ کا، یہ سننا تھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، فوراً عبداللہ بن عمرؓ کو طلب کیا، اور ان سے دریافت کیا یہ اونٹ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواب دیا، یہ اونٹ میں نے خریدا تھا اور اپنے پیسے سے خریدا تھا، اس وقت یہ کمزور اور لاغر تھا، میں نے اس کو چراگاہ میں دوسرے اونٹوں کے ساتھ چرنے کے لیے بھیج دیا، دھیرے دھیرے یہ فربہ ہوتا گیا، میرا ارادہ اس کو بیچ کر کچھ نفع حاصل کرنا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر جلال آگیا، آپ نے فرمایا: اس عوامی چراگاہ میں جب تمہارا اونٹ چرنے کے لیے آئے گا تو لوگ یہ سوچ کر کہ یہ خلیفۃ المسلمین کے صاحبزادہ کا اونٹ ہے، اس کا خاص خیال رکھیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو چرنے دیں گے، پہلے تمہارے اونٹ کو پانی پلائیں گے، اس طرح تمہارا اونٹ ان کے اونٹوں سے جلدی فربہ ہوگا، اور اس کی قیمت ان کے اونٹوں سے زیادہ لگے گی، اس کے بعد انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، اے

عبداللہ! اس اونٹ کو بیچ دو، جتنی رقم میں تم نے اس کو خریدا تھا وہ رقم اپنی لے لو، اور باقی زائد رقم بیت المال میں جمع کردو، کیونکہ وہ تمہارا حق نہیں۔

اتباع سنت کا حال

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہیں، مشورہ ہو رہا ہے، معاملہ تدوین قرآن کا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ مسئلہ لایا جاتا ہے تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے میں وہ کام کیسے کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؛ لیکن پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو درست سمجھ کر آپؓ نے اس عظیم الشان کام کی اجازت مرحمت فرمائی۔

منصب خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو اعلانات کیے ان میں سب سے پہلا اعلان یہ تھا، میں وہی کام کروں گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر کے دکھا گئے یا کرنے کا حکم دے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش کیا جاتا، اور واضح طور پر کوئی نمونہ اس سلسلہ میں حیات طیبہ کا آپؐ کے سامنے نہ ہوتا تو آپؓ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے جاتے، ایک ایک سے ملتے، اور اس معاملہ کے سلسلہ میں نبوی طریقہ دریافت کرتے اور جب آپؓ کے سامنے اس سلسلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیان کیا جاتا، تو فرماتے: اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے محافظ ہیں۔

حبّ رسول کا نمونہ

مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کا ایک خط حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پہنچتا ہے، خط کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

دو گانے والی عورتوں نے ایک گانا گایا، ان میں ایک نے اپنے گانے میں اشعار کے ذریعہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جب کہ دوسری نے اپنے گانے میں مسلمانوں کو ہجو کا نشانہ بنایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی نرم مزاجی اور رحم دلی کے باوجود لکھا کہ حضور کی شان میں گستاخی کرنے والی وہ بدزبان عورت قتل کی مستحق تھی، اور مسلمانوں کو ہجو کا نشانہ بنانے والی عورت معافی کی حقدار تھی۔

غزوۂ احد میں حضرت ابودجانہؓ نے اپنی پشت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا دیا تھا، ان کی پشت پر تیروں کی بارش ہوتی رہی؛ لیکن انہوں نے اس کو جنبش بھی نہ دی۔ [زاد المعاد]

صبر کا واقعہ

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے جب دمشق پہنچے تو پاؤں کی ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگئے جس کا علاج ہی یہ تھا کہ پاؤں کا وہ حصہ کاٹ دیا جائے، ورنہ خطرہ یہ تھا کہ مرض کہیں جسم کے اوپری حصہ تک سرایت نہ کر جائے، چنانچہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر پاؤں کاٹنے والے کو بلوایا گیا، لوگوں نے حضرت عروہؓ سے درخواست کی کہ ہم آپ کو تھوڑی سی شراب پلا دیتے ہیں تاکہ آپ کو تکلیف کا احساس نہ ہو، حضرت عروۃ بن زبیرؓ نے جواب دیا! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جس اللہ سے میں صحت وعافیت کی امید لگاؤں اسی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز اس موقع پر استعمال کروں؟

لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو نیند آور مشروب پلا دیتے ہیں اس سے بھی آپ کو تکلیف کا احساس کچھ کم ہو جائے گا، حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! میں نہیں چاہتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ کاٹا جائے اور مجھے اس کی تکلیف کا احساس بھی نہ ہو کیوں کہ پھر میں خدا سے اجر وثواب کی امید کس بات پر کروں گا؟ اس کے بعد حضرت عروۃ بن زبیرؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ اندر آ کر ان کے پاس کھڑے ہو گئے، انہوں نے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جب آپ کا پیر کاٹا جائے گا تو یہ لوگ آپ کو پکڑے رہیں گے تاکہ آپ ہلیں نہیں، حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو مجھے پکڑنے کی ضرورت نہ پڑے گی، چھری سے ان کی ٹانگ کاٹی گئی، چھری جب ہڈی تک پہنچی تو اس نے کام کرنا چھوڑ دیا، چنانچہ آری منگائی گئی، اور ہڈی آری سے کاٹی گئی، ٹانگ جب آری سے کاٹی جا رہی تھی تو حضرت عروۃ بن زبیر کی زبان سے صرف لا الٰہ الا اللّٰہ اور اللّٰہ أکبر نکل رہا تھا، پھر لوہے کے ایک برتن میں تیل کھولایا گیا اور خون روکنے کے لیے ان کی ٹانگ کو اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا، تکلیف کی شدت سے حضرت عروۃ بن زبیر پر بیہوشی طاری ہوگئی، ہوش میں آئے تو چہرے سے پسینہ پوچھتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: "لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَذَا نَصَباً" [الکہف: ۶۲] (اس سفر سے ہم بہت تھک گئے) حضرت عروۃؓ نے ہوش میں آنے کے بعد جب ٹانگ کا وہ کٹا ہوا ٹکڑا دوسروں کے ہاتھ میں دیکھا تو اس کو ان سے مانگا، ہاتھ میں اس کو لیا، الٹ پلٹ کر دیکھا پھر اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے میرے جسم کا

بوجھ تجھ پر لادا، میں اس ذات کو واسطہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تجھ کو کبھی کسی غلط راہ پر نہیں چلایا اور نہ کسی گناہ کی طرف میں نے تجھ کو بڑھایا۔

دولڑکے ہیں، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، اس عمر کی امنگوں اور تمناؤں کا کیا کہنا، خواہشات و آرزوؤں کا کیا پوچھنا، لیکن ان کی صرف ایک ہی آرزو اور ایک ہی تمنا ہے کہ ابوجہل کو محبوب خدا سے دشمنی کا مزہ چکھانا ہے، دشمن اسلام کی تلاش ہے؛ لیکن پہچانتے نہیں، کان ضرور گناہ گار ہیں اس کا نام سننے کے؛ لیکن آنکھیں محفوظ ہیں اس کے دیدار کی گناہ گار بننے سے، پوچھتے پوچھتے دونوں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتے ہیں، اب آگے سنیے! حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی زبان سے، وہ کیا کہتے ہیں:

’’میں صف میں تھا، دفعۃً مجھ کو دائیں بائیں دونوجوان نظر آئے، یہ دونوں عفراء کے بیٹے معوذ اور معاذ تھے، ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کروگے؟ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کروں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا، میں ابھی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کان میں یہی بات کہی، میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے ابوجہل کو زمین پر گرادیا، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا؛ لیکن تسمہ باقی رہا، معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا؛ لیکن وہ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا، معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے ؛لیکن ہاتھ لٹکنے کی وجہ سے زحمت ہوتی تھی، ان کو یہ زحمت بھی گوارہ نہ تھی انہیں وہ ہاتھ بھی قبول نہ تھا جو خدا کے راستے میں ان کے لیے رکاوٹیں کھڑی کررہا ہے ،انہوں نے اس ہاتھ سے اس طرح پیچھا چھڑایا کہ اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر اس زور سے کھینچا کہ تسمہ الگ ہوگیا، اب وہ آزاد تھے۔

خدمت خلق کا جذبہ

مدینہ میں ایک بزرگ اور نابینا خاتون اکیلی رہتی تھی، حضرت عمرؓ (ہونے والے خلیفہ) کو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ ان کے گھر کے کاموں کو انجام دینے میں ان کی مدد کی جائے ؛لیکن صبح صبح جب وہ ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر کی صفائی ستھرائی ہوچکی ہے، پانی کے مشکیزے بھرے پڑے ہیں، ضرورت کی تمام اشیاء اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں، انہیں سخت حیرانی ہوئی کہ صبح سے قبل یہ کام کون کرگیا، بوڑھی خاتون سے دریافت کیا تو وہ بولیں بیٹا: مجھے نہیں معلوم کون خدا ترس آدمی جو یہ تمام کام فجر سے پہلے انجام دے جاتا ہے، حضرت عمرؓ اگلے روز فجر سے قبل بوڑھی خاتون کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ (موجودہ خلیفہ) یہ تمام کام انجام دیتے ہیں تب حضرت عمرؓ نے کہا: ابوبکرؓ! خدا کی قسم میں آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

☆☆☆☆☆

بہترین اور مثالی انسان

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

قرآنی تصور کی رو سے مثالی انسان وہ نہیں جو صرف کسب معاش اور خواہشات نفس کی تکمیل کی تگ ودَو میں لگا رہے، بلکہ قرآن کریم کی نظر میں نیک انسان وہ مومن صالح ہے جو اپنے خالق کا حق شناس ہو، اپنی زندگی کو اپنے خالق و مالک کی مرضی ومنشا کے مطابق گزارے، اللہ کے بندوں کے درمیان ایک فرد صالح اور انسانی برادری میں ایک شریف رکن کی حیثیت سے رہے، پوری انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے کوشاں رہے، نہ کہ صرف اپنے مفاد کے لیے۔

درحقیقت قرآن کریم کی نظر میں بہترین مثالی انسان وہ ہے جو دوسروں کی خاطر اپنے نفس کو قربان کردے، اس طرح مادی تربیت اور اسلامی تربیت میں بڑا نمایاں فرق ہے، مادی تربیت خودغرضی اور مفاد پرستی کو بڑھاوا دیتی ہے، جبکہ اسلامی تربیت انسان کو اپنائیت ،قربت، خلوص ومحبت، ایثار وقربانی اور ہمدردی وغمگساری کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔

اسلامی تربیت جس کا مصدر وماخذ قرآن کریم ہے ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھتی ہے کہ انسانی سرگرمی کا کوئی پہلو مغلوب نہ ہونے پائے، اور جسم، عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رہے، انسان کو دوسرے کے لیے آئیڈیل بناتی ہے، اور کائنات میں اعلی ترین مقام پر فائز ہونے کی ترغیب دلاتی ہے، اس اعتبار سے اسلامی تربیت انسان کے جسمانی، عقلی، شعوری، سماجی، ذوقی اور روحانی تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اور اسلامی تربیت انسان کو متوجہ کرتی ہے کہ اس کی تمام سرگرمیاں ایک اعلیٰ مقصد پر مرکوز ہوں، اور وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کا ذریعہ ہو۔ ☆☆☆

یادِ رفتگاں

عبید الرحمٰن خان ندوی علم و عمل کے پیکر

ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خان ندوی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ [سُورَةُ الزُّمَر:۳۹]. (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے)۔

حافظ مولانا عبید الرحمٰن خان ندوی غفر اللہ لہ بروز ہفتہ ۲۹/ ذو الحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۶/ جولائی ۲۰۲۴ء کو شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے اس دار فانی سے کلمہ شہادہ پڑھتے ہوئے کوچ کر گئے۔ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ (ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی قبر کو جنت کی کیاری بنائے، اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

وہ کئی دنوں سے بیمار تھے، سانس لینے میں تکلیف تھی، کئی بار ہاسپٹل میں داخل ہوئے، جب طبیعت ٹھیک ہو جاتی تو گھر آ جاتے، جب میں مارچ ۲۰۲۴ء میں بھوپال گیا تو اس وقت بھی ان کی طبیعت ناساز تھی، واپسی کے دن صبح کی فلائٹ تھی، ان کا برابر فون آ رہا تھا کہ ضرور ملاقات کر لیں، ان کا گھر ائیرپورٹ کے راستہ میں تھا، ملاقات کے لیے حاضر ہوا، فرمانے لگے شاید یہ میری آپ سے آخری ملاقات ہو، میں نے کہا ایسا مت کہو، اللہ تعالیٰ آپ کو کامل و عاجل صحت عطا فرمائے۔ اس کے بعد بھی کئی بار بات ہوئی، بقرعید کے موقعہ پر بھی بات ہوئی۔ ہفتہ کے دن ۶/ جولائی ۲۰۲۴ء کو نماز مغرب سے قبل مجھے ٹوکیو نیشی کسائی مسجد پہنچنا تھا، مسجد میں نماز مغرب پڑھائی، اس کے بعد میٹنگ ہوئی اور اسلامی کلینڈر (ہجری کلینڈر) پر میرا لیکچر ہوا، اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھائی، بعد میں جو ٹیلیفون دیکھا تو بڑے بھائی جناب حافظ وقاری مولانا محمد رئیس خان ندوی کا فون آیا ہوا تھا، اسی طرح چھوٹے بھائی ڈاکٹر کلیم الرحمٰن خان ندوی کا ٹیلیفون اور میسیج تھا کہ جناب عبید بھائی کا انتقال ہو گیا۔ فوراً تمام موجودہ نمازیوں نے دعائے مغفرت کی اور مسجد کے لوگوں کو اطلاع دی گئی، جہاں بہت سے ساتھیوں نے دعائیہ کلمات ارسال فرمائے۔ بعد میں مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کے بچوں سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ چند دن قبل ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو ہاسپٹل میں داخل ہوئے، اور الحمد للہ چند دن قبل طبیعت اچھی ہوئی تو گھر آ گئے تھے، بروز ہفتہ جناب رئیس بھائی مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کے گھر آ گئے تھے، دونوں کا گھر قریب ہے، باتیں ہوتی رہیں، پھر مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ نے بچوں سے کہا کہ میرے درد ہو رہا ہے زیتون کے تیل کی مالش کر دو، مالش ہوتی رہی، ایمبولینس کو فون کر دیا گیا، بچہ نے کلمہ شہادۃ کو پڑھا تو مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ نے بھی پڑھا اور ختم ہونے کے ساتھ ہی آنکھیں بند ہو گئیں، ایمبولینس پہنچی، ڈاکٹر نے دیکھا تو کہا کہ ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔

مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ بہت نیک وصالح، حافظ، عالم، مفسر قرآن کریم، خطیب، داعی، اخلاق حسنہ سے مزین اور صفات حسنہ کے مالک تھے۔ وہ تقریر بھی بہت زوردار کرتے تھے، ایک بار کوہ فضا کی کسی مسجد میں انہوں نے تقریر کی، اس کے بعد میری تقریر ہوئی، تو عزیزم جمیل خان کو کہتے ہوئے سنا کہ عبید بھائی کی بڑی جمی ہوئی تقریر تھی۔ الفاظ بڑے منتخب کر کے بولتے تھے۔

مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ بھائیوں میں پانچویں نمبر پر ہیں، میرا نمبر چار ہے، ہم بھائیوں کی عمر میں تقریباً ایک ایک سال کا فرق ہے، سب بھائیوں اور بہنوں کی پیدائش بھوپال میں ہوئی، ابتدائی تعلیم والدین، دادی اماں اور خالاؤں کے پاس حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم تاج المساجد بھوپال (ملحق ندوہ العلماء، لکھنؤ) میں حفظ قرآن کریم میں داخلہ ہوا، ابھی مجھ سے بڑے بھائی جناب نفیس بھائی غفر اللہ لہ حافظ ہوئے تھے اور پہلی تراویح پڑھائی تھی کہ ہماری والدہ محترمہ غفر اللہ لہا کا انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے رنج و غم کا ماحول تھا اور پڑھائی پر توجہ نہیں ہو سکی، جب کچھ حالات نارمل ہوئے تو جناب والد صاحب نے مجھے اور مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کو جناب محترم صوبیدار عبد الجلیل غفر اللہ لہ کے یہاں حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے لیے پابند کیا، وہ شاہجہاں آباد میں رہتے تھے تو میں اور مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ صبح سے رات تک ان کے گھر جاتے اور قرآن کریم حفظ کرتے، جب قرآن کریم مکمل ہو گیا تو والد صاحب نے دار العلوم تاج المساجد کے حفظ کے

اساتذہ کو جمع کیا اور ہم دونوں کا امتحان لیا گیا، میری ایک غلطی آئی لیکن مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کی کوئی غلطی نہیں آئی۔ حفظ قرآن کریم کے بعد عربی اور اردو کی تھوڑی تیاری کرائی گئی اور ہم دونوں کا داخلہ عربی کے اعدادیہ کلاس دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں ہوا، دوسال کی تعلیم کے بعد مجھے اور مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کو والد صاحب نے دار التعلیم والصنعت کانپور (ملحق ندوہ العلماء لکھنؤ) بھیج دیا، کیونکہ وہاں جناب مولانا یعقوب رحمہ اللہ اور جناب حافظ محمود بھائی رحمہ اللہ چلے گئے تھے، وہاں ہم دونوں نے دوسال تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم ندوہ العلماء چلے گئے۔

مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ اور میں ایک ساتھ دار العلوم ندوہ العلماء گئے اور عربی کے درجہ سوم میں داخلہ ہوا، اس وقت جناب انیس بھائی رحمہ اللہ اور جناب رئیس بھائی فارغ ہوکر بھوپال واپس چلے گئے تھے، اور جناب نفیس بھائی رحمہ اللہ دار العلوم ندوہ العلماء میں تھے، ہم تینوں بھائیوں کا قیام شبلی ہوسٹل میں تھا، شاید خلیل میاں بھی حفظ کے درجہ میں تھے، لیکن وہ چھوٹی بورڈنگ میں رہتے تھے، دار العلوم ندوہ العلماء کے ماہر ومشہور اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی، ہم دونوں نے عالمیت کی ڈگری ۱۹۷۴ء میں اور فضیلت کی ڈگری ۱۹۷۶ء میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اچھے درجات سے حاصل کی، طلبہ کی جمعیہ الاصلاح میں برابر شریک رہتے۔ ندوہ العلماء کا ۱۹۷۵ء میں ۸۵ سالہ جشن ہوا، اس وقت ہم دونوں فضیلت دوم میں تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی نظامت تھی، جناب مولانا محمد عمران خان ندوی ازہری رحمہ اللہ جشن کے انتظام کے ذمہ دار تھے، والد صاحب مولانا محمد سلمان خان ندوی رحمہ اللہ طعام کے ذمہ داروں میں تھے، جن کے نگرانی میں ہم سب لوگ تھے، الحمدللہ جشن بہت کامیاب ہوا تھا۔

۱۹۷۵ء میں ہمارے دو اور بھائی حافظ مولانا جمیل الرحمٰن خان ندوی رحمہ اللہ اور حافظ ڈاکٹر کلیم الرحمٰن خان ندوی بھی ندوہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آگئے تھے۔ تعلیم کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی اذان تک والی بال وغیرہ کھیلتے، مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ بھی برابر کھیلتے بلکہ بہت اچھا کھیلتے تھے، اس کے علاوہ وہ صحت کا خوب خیال رکھتے، ان کے پلنگ کے نیچے کئی اینٹیں بندھی رکھی ہوتیں جن کو اٹھا کر وہ فجر کی نماز کے بعد ورزش کرتے۔ بھوپال کے کھیلوں میں ایک کبڈی تھی جس میں وہ بڑے ماہر تھے، سب کو کھینچ کر پالا پار کرجاتے تھے۔ بھوپال کے کھیلوں میں ایک بڑے تالاب میں تیراکی تھی، اس میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ ۱۹۷۶ء ہم لوگ دار العلوم ندوہ العلماء سے تعلیم مکمل کرکے بھوپال واپس ہوئے۔

مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ ندوۃ سے تعلیم مکمل کرکے دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں استاذ کی حیثیت سے مقرر ہوگئے، دوسری طرف تبلیغی مرکز بھوپال مسجد شکور خان میں امام کی ذمہ داری ان کو عطا کی گئی، جہاں انہوں نے بیسیوں سال امامت کی خدمات انجام دی، مسجد میں ان کے وعظ ونصیحت ہوتے، اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں تفسیر قرآن کریم اور حدیث شریف کے دروس ہوتے۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ۱۹۷۶ء میں مجھے پہلے حج ادا کرنے کی توفیق ہوئی، اس کے بعد الحمدللہ اسی سال میں جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ ملا، اس زمانہ میں ای میل، واٹساپ وغیرہ نہیں تھے؛ لیکن مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ برابر فرماتے تھے کہ میرے لیے بھی کوشش کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مزید تعلیم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، میں بھی ان کی درخواست کئی جگہ ارسال کرتا رہتا، اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ان کی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے منظوری آگئی، یہ چند ماہ کی ائمہ ودعاۃ کی ٹریننگ تھی، تمام طلبہ کا قیام رابطہ کی بلڈنگ منیٰ میں تھا، بڑے شرف کی بات تھی، اس دوران میں ہماری ملاقات مکہ مکرمہ ہوتی، شاید اس دوران جناب رئیس بھائی جامعہ الریاض سعودی عرب میں زیر تعلیم تھے، سب ساتھ میں جناب صالح عبد الصمد ساعاتی رحمہ اللہ کے گھر ملاقات کے لیے جاتے۔ مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ ائمہ ودعاۃ کی ٹریننگ کے بعد ہندوستان واپس ہوگئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کا داخلہ جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ القصیم میں ہوگیا، انہوں نے وہاں کلیہ اصول الدین سے فراغت حاصل کی اور وہاں مشہور علماء کرام سے تعلیم حاصل کی، ان میں فضیلہ الشیخ العثیمین رحمہ اللہ بھی تھے۔ جامعہ الامام سے فراغت کے بعد وہ ہندوستان واپس آگئے اور مبعوث کی حیثیت سے دار العلوم تاج المساجد بھوپال، جامعہ اسلامیہ (ترجمہ والی مسجد)، معہد الدراسات الاسلامیہ (جناب قاضی مشتاق ندوی کا ادارہ) میں تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس کے علاوہ مسجد کی امامت اور مختلف مساجد میں تفسیر قرآن کریم اور حدیث شریف کا دروس دیتے رہے۔ جب میں بھوپال جاتا تو مجھے بھی مختلف مساجد میں تقریر کے لیے دعوت دیتے، ان کی قبولیت کی وجہ سے بڑا مجمع جمع ہوجاتا۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کئی بار جاپان تراویح پڑھانے تشریف لائے، اپنی علمی ودینی طبیعت کی وجہ سے

ہر شخص ان کو پسند کرتا تھا، بلکہ نمازوں اور تراویح کی امامت کے ساتھ جہاں قیام ہوتا، وہاں وہ افطاری اور کھانوں کی تیاری میں اپنی مہارت دکھاتے، ان کے تیار کیے ہوئے بھیجہ اور دوسرے کھانوں کی سب تعریف کرتے۔

لوگوں نے درخواست کی کہ مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کو مستقل امامت کے لیے بلالیا جائے، اسلامک سینٹر جاپان سے ان کے ویزہ کے پیپر امیگریشن میں پیش کیے گئے، اور جلدی ہی ویزہ کی کارروائی الحمدللہ ہوگئی، انہوں نے مسجد التوحید ہاچی اوجی، ٹوکیو میں کئی سال امام اور داعی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، سب بہت خوش تھے، ان کے گھر والے بھی کچھ عرصہ کے لیے جاپان تشریف لائے۔ چند سال بعد وہ ہندوستان واپس چلے گئے، اور معہد الداسات الاسلامیہ بھوپال میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، مزید دوسری مساجد میں تفسیر قرآن کریم اور حدیث شریف کے دروس ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری زندگی دین حنیف، علم نافع کی خدمت میں مشغول رکھا، ”يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ، ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ، وَادْخُلِي جَنَّتِي“ .(اے اطمینان والی روح، تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش، پس میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا، اور میری جنت میں داخل ہوجا)۔

اللہ تعالیٰ مولانا عبید الرحمٰن رحمہ اللہ کی مغفرت فرما، ان کے اعمال صالحہ کو قبول فرما، ان کی لغزشوں سے درگزر فرما، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما، ان کی قبر کو جنت کی کیاری بنا، اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرما، آمین۔

☆☆☆☆☆

دولتِ عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ — تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

جلد اول	(صفحات ۴۸۸)	قیمت -/450
جلد دوم	(صفحات: ۷۰۴)	قیمت -/550
جلد سوم	(صفحات: ۵٦۰)	قیمت -/500

کل میزان- -/Rs.1500

رعایت کے بعد مع ڈاک مصارف -/1000 روپئے میں دستیاب ہے۔

نئی مطبوعات دیدہ زیب طباعت دولت عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ کی مفصل داستان آسان اور دلنشیں پیرایۂ بیان میں لکھی گئی۔

دولت عثمانیہ کا عروج وزوال، سلطان عبدالحمید ثانی کے دور خلافت اور ان کے کارناموں کی تفصیل، خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کا سانحہ، انجمن اتحاد وترقی اور مصطفیٰ کمال پاشا کے دورِ حکومت کے اہم واقعات، ترکی میں اسلامی بیداری کے حوصلہ افزا اقدامات وحالات، سلطان عبدالحمید ثانی کی دو ڈائریاں، نیز موجودہ صدر ترکی رجب طیب اردوگان کے مؤمنانہ اقدامات۔

مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، لکھنؤ

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539

موبائل نمبر 9889378176 / 8318841286

بارکوڈ یا اکاؤنٹ نمبر کے ذریعہ رقم جمع کراکر تینوں جلدیں حاصل کرسکتے ہیں۔

Account N0 10863759700
ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATION
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH LUCKNOW
IFSC CODE SBIN0000125

محاسن اسلام

زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم:"املك علی لسانك، ولیسعك بیتك، وابك علی خطیئتك". [جامع ترمذی](اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اپنی زبان پر قابو رکھو، تمہارا گھر تمہارے لیے کشادہ ہو اور فراخ ہو اور اپنی خطا پر رولیا کرو)۔

مذکورہ حدیث سماجی زندگی کا آئیڈیل اور رہنما اصول فراہم کرتی ہے، زبان انسانی زندگی کا امتیاز ہے، وہ زندگی کا درّ شاہوار ہے جس کی تابندگی سپہرۂ زیست کو تابندگی عطا کرتی ہے اور اس کی بے راہ روی سے انسانی زندگی شرمسار ہوتی ہے، حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری زندگی میں خوفناک چیزیں کیا ہیں، ان میں جو سب سے زیادہ خوفناک ہو، اس کی نشاندہی فرمادیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ ہے۔

زبان، دل ونگاہ کی ترجمان ہے اور عقل وخرد کا پاسبان ہے اور قوت سامعہ کی بانگ مسلسل ہے، اور یہ وہ نعمتیں ہیں جو اللہ عزوجل کے عطا کرنے سے ہمیں ملی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُم مِّنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَاتَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ قَلِيلاً مَّاتَشْكُرُونَ" (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لیے کان بنائے، نگاہیں دیں اور دل ودماغ عطا کیے (تاکہ تم شکر ادا کرو) لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لیے دی ہیں تاکہ ہم ان کو صحیح استعمال کریں، اور ان سے حاصل شدہ معلومات سے صحیح نتائج اخذ کریں، ہماری یہ کمزوری ہے کہ ہم تمام خبروں اور واقع ہونے والے حالات سے از خود واقف نہیں ہوسکتے، اس لیے ہمیں دوسروں پر بھی بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اس سلسلے میں آنے والی خبروں کی پوری تحقیق کے بعد ہی ہمیں کوئی فیصلہ لینا چاہیے اور تحقیق احوال کے بعد پشیمانی بھی اٹھانی پڑسکتی ہے، اس لیے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی ناقابل اعتبار شخص کوئی اہم خبر لے کر آئے تو تم اسے پرکھ لو، وضاحت کرلو، ایسا نہ ہو کہ ناواقفیت میں کسی کو متہم قرار دو اور پھر تمہیں شرمساری ہو"۔

ایک غلط فہمی

بنی مصطلق کے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ایک صحابی کو بھیجا، وہ جب بنی مصطلق کے قریب پہنچے تو وہ ان کے استقبال کے لیے اپنے نوجوانوں کو لے کر نکلے، ان کے ہاتھوں میں تیر وتفنگ بھی تھی، یہ منظر دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ الٹے پاؤں واپس آگئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر خبر دی کہ وہ تو باغی ہوگئے ہیں، مجھے مبادا وہ قتل کردیتے، اس لیے ہم واپس چلے آئے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنو مصطلق کی سرکوبی کی تیاری میں لگ گئے، اسی اثناء میں بنو مصطلق کا ایک وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اس نے عرض کیا کہ حضور! آپ کے فرستادہ کی آمد کی خبر پاکر ہم لوگ ان کے استقبال کے لیے مسلح ہوکر اپنی روایت کے مطابق نکلے تھے؛ لیکن وہ ہمیں دیکھتے ہی واپس ہوگئے، لہٰذا ہمیں شبہ ہوا کہ انہیں غلط فہمی ہوگئی، اس کے ازالہ کے لیے ہم آپ کے پاس آئے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر تعجب ہوا اور یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِينَ".

لوگ غلط فہمیوں کی بنیاد پر بھی ہفوات کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لیے خود بھی غلط فہمیوں سے بچنا چاہیے، اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنی چاہیے، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں تھے، حضرت صفیہ بنت حیی ام المؤمنین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے مسجد نبوی تشریف لائیں، دیر تک گفتگو کرنے کے بعد واپس ہونے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، اسی اثناء میں دو حضرات سامنے کی گلی سے گذر رہے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں

روکا اور فرمایا کہ: یہ ام المومنین صفیہ بنت حیی ہیں، میری زوجہ ہیں، ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ حضور! آپ کے بارے میں ہم کچھ سوچ سکتے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں، شیطان غلط فہمی میں مبتلا کردیتا ہے، وہ انسان کی رگوں میں خون کی طرح سرایت کرجاتا ہے، اس لیے ہمیشہ شیطانی وسوسوں سے بچنا اور بچانا چاہیے، شیطان انسان کو کب اور کیسے دھوکہ دیتا ہے، اس کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔

ابلیسی کھیل

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ ایک دفعہ مراقبہ میں تھے، استغراقی کیفیت طاری تھی، اسی اثناء میں انہیں پیاس کا احساس ہوا، دیکھا کہ بازو میں کوئی سونے کے پیالے میں پانی لے کر کھڑا ہے، اور پینے کے لیے پیش کررہا ہے، پیاس کی شدت تھی، پانی لے کر پینا چاہا تو دیکھا کہ پیالہ تو سونے کا ہے، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے پینے سے انکار کردیا یہ کہتے ہوئے کے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر دل میں خیال آیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے، بلاطلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا پیش کش ہے، پی لینا چاہیے؛ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، 'لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم' پڑھتے ہی وہ شخص اور پیالہ غائب ہوگیا، جاتے ہوئے اس نے کہا عبدالقادر! اپنے علم سے بچ گئے، فوراً تنبہ ہوا اور فرمایا کہ نہیں بلکہ فضل الٰہی کی وجہ سے بچا، معلوم ہوا کہ وہ ابلیس شیطان تھا، کس کس رنگ اور آہنگ میں وسوسہ اندازی اور کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے اس کو سمجھنا مشکل ہے۔

لہٰذا اپنی دانائی اور علم پر بھروسہ کرکے زبان و بیان کے واسطے کسی امر کی تشکیل سے پہلے سوچنا چاہیے کہ کہیں اغوائے شیطانی کے ہم شکار تو نہیں ہو رہے ہیں، اگر ایسا ہوگا تو ساری محنتیں اکارت ہوجائیں گی اور ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آسکتا ہے۔

زبان کی حفاظت لازم

حدیث شریف میں آیا ہے: عن بلال بن الحارث المزنی ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:ان الرجل لیتکلم بالکلمة من رضوان اللّٰه ما کان یظن أن تبلغ ما بلغت،یکتب اللّٰه له بها رضوانه الی یوم یلقاه' وان الرجل لیتکلم بالکلمة من سخط اللّٰه ماکان یظن أن تبلغ مابلغت،یکتب اللّٰه بها سخطه الی یوم یلقاه .[الحدیث] (حضرت بلال بن حارثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ بلند درجے تک پہنچ جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت تک کے لیے اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے اور کبھی آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ایسی بات زبان سے نکال دیتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان تک بھی نہیں ہوتا کہ انتہائی نچلے درجہ کی ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے اس کے لیے اس بات کی وجہ سے ناراضگی لکھ دیتا ہے)۔

انسان کو اللہ عزوجل نے صاحب زبان بنایا ہے، اس زبان کو استعال کی اسے قدرت دی ہے، اس کو وہ صحیح اور غلط دونوں طرح سے استعمال کرسکتا ہے؛ لیکن اسے اس حدیث کے ذریعہ باور کرایا گیا ہے کہ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اس کی زندگی کو کس حد تک متاثر کرسکتے ہیں، بسا اوقات معمولی بات جو اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی تو اس کا درجہ قیامت کے دن بلند کرنے کا ذریعہ ہوگی، اور رضائے الٰہی اور خوشنودی کا ذریعہ ہوگی، اور بہت چھوٹی بات؛ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو تو اس کی حیثیت کو گرادے گی، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہوگی۔

اس لیے زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، ایک ایک لفظ اللہ عزوجل کے ہاں کاؤنٹ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید" بات جو زبان پر آتی ہے، اس کی حفاظت ہوتی ہے، اس کے اثرات اور اکتسابات کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ روزانہ زبان کے حضور میں سارے اعضائے انسانی دست بستہ پیش ہوتے ہیں اور عرض گذار ہوتے ہیں کہ تو اگر ٹھیک رہے گی تو ہم سب کی خیر ہے، اس لیے کہ زبان کی غلطی کا خمیازہ جسم کے دیگر اعضاء کو اٹھانا پڑتا ہے، زبان تو اپنے حدود وحصار میں رہتے ہوئے محفوظ رہتی ہے۔

نطق یعنی بامفہوم بولنا انسانی زندگی کا امتیاز ہے، ساری مخلوق میں یہ وصف صرف اور صرف انسان کو حاصل ہے، اس لیے اس کو بڑا محتاط رہنا چاہیے، ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے؛ دراصل زبان سے جو الفاظ ادا ہوتے ہیں، ان کے پیچھے انسان کا ایمان، اس کے جذبات واحساسات اور اس کی

پوری شخصیت ہوا کرتی ہے، زبان ان سب کا مظہر ہے، لہٰذا ہمیں ہنسی مذاق میں دلداری کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اور دلآزاری سے پرہیز کرنا چاہیے۔

دلآزاری انسان کی قبیح صفات میں سے ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سچے اور اچھے مسلمان کا یہ وصف بیان کیا ہے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یعنی اچھا مسلمان وہ ہے جس کی دست درازیوں اور زبان درازیوں (یعنی دلآزاریوں) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اس حدیث میں مسلم کی قید سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ غیر مسلم کے ساتھ اس کی اجازت ہے، نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ عام طور پر ایک مسلمان کا اپنوں ہی کے ساتھ زیادہ تر رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، اور معاملات باہمی کا تصفیہ ہونا ہوتا ہے، تلخیاں اسی میں پیدا ہوتی ہیں، شکر رنجیوں کے ظہور کا یہی موقع ہوتا ہے، لہٰذا خاص طور پر یہ حدیث ہمیں اس طرف متوجہ کر رہی ہے، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خصوصی زور دیا ہے کہ یہ شیوۂ آذری ہے شیوۂ انسانی وایمانی ہرگز نہیں ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، تمام اعضاء انسانی کا وہ امتیاز ہے، کونین میں حسن و تجمل کا وہ آئینہ دار ہے، تمام مخلوقات میں انسانی عظمت کا شاہکار ہے، بلکہ وہ درشاہوار ہے، جس سے انسان معاشرہ میں باوزن ہوتا ہے اور اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں ہر حال میں زبان کی خاص فکر رکھنی چاہیے، اور اس کی معنویت کی اہمیت وقدر و قیمت کو پہنچاننا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

غیر منقوط نعتیہ کلام

از: محمد نعمان اکرمی ندوی

مسلّم ہے، امام مرسلاں ہے وہ مکرم ہے
مکرم ہے، امام مرسلاں ہے وہ مکرم ہے

وہ امی ہے، مگر وہ حکمراں مصر و ملل کا ہے
کہا اس کا مدلل ہے، لکھا اس کا مصمم ہے

مرصّع ہے، وہ کردار و عمل کے لعل و گوہر سے
دَمک لعل و گہر کی روئے اطہر سے ہی مدھم ہے

وہ حامد ہے وہ کامل ہے، وہ ماحی اور عادل ہے
وہی طٰہٰ، وہی طٰس، وہ حم و ہمدم ہے

وہ ہادی اور مہدی ہے، وہ داعی اور مدعو ہے
وہ اولی ہے، وہ آمر ہے، معلم ہے، وہ اکرم ہے

اے لوگو محرم سرمکاں، اور لامکاں ہے وہ
وہ حکم مالکِ کُل ، عالم اسرار عالم ہے

گدا اگر ہوں رسول اللہ کے گھر کا گدا گر ہوں
اسی کے دَر کی مٹی دردہائے دل کا مرہم ہے

کریں اللہ اور اس کے ملائک سارے اسکی مدح
لکھے کوئی مسلسل مدح اس کی اور کرے کم ہے

کرے ہے مدحِ سرکارِ دو عالم اکرمؔی ہر دم
کہ اسکی مدح کو واللہ ساری عمر ہی کم ہے

☆☆☆☆☆

ملک وملت

اوقاف کا تحفظ دینی اور آئینی ذمہ داری

ڈاکٹر سراج الدین ندوی

وقف ایک دینی اور شرعی اصطلاح ہے۔وقف کا مطلب ہے اپنی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد و اموال میں سے کسی حصہ سے اللہ کی رضا کے لیے،کسی دینی ورفاہی کام کے لیے اپنی ملکیت سے دست بردار ہوجانا تا کہ وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے،یعنی مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب ملتا رہے۔عربی زبان میں وَقَفَ یَقِفُ وَقْفاً کے معنی ہیں''رُکنا''۔چونکہ وقف میں انسان اپنی ملکیت سے ہاتھ روک لیتا ہے اس لیے اسے وقف کہتے ہیں۔اس کی جمع اوقاف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے۔ایک صدقہ جاریہ، دوسرا ایسا علم،جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک و صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے''[ترمذی]۔واقف کو اپنے وقف سے دو بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔دوسرے یہ کہ لوگ اس وقف سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔مثال کے طور پر اگر آپ کوئی ہینڈ پمپ لگواتے ہیں،اس سے لوگ سیراب ہوتے ہیں۔کوئی باغ لگواتے ہیں اس کے پھلوں سے لوگ مستفید ہوتے ہیں یا اس کی آمدنی رفاہی وفلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے،کوئی مسجد تعمیر کراتے ہیں لوگ اس میں نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں یا کوئی تعلیمی ادارہ قائم کرتے ہیں جس میں بچے علم حاصل کرتے ہیں۔کوئی ہاسپٹل بنواتا ہے تو اس سے غریب مریض فائدہ اٹھاتے ہیں چونکہ ان سب چیزوں سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کو مرنے کے بعد بھی اجر سے نوازتا رہتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا دفترِ عمل بند ہوجاتا ہے مگر حدیث بالا میں مذکورہ تینوں عمل ایسے ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اور انسان کے نامہ اعمال میں درج ہوتا ہے۔

وقف تحریری بھی ہوتا ہے اور زبانی بھی۔اگر کوئی شخص کسی کو گواہ بنا کر زبانی طور پر بھی اپنی کوئی ملک کسی ادارے،مسجد،یا دینی وفلاحی تنظیم کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ وقف ہوجائے گا؛البتہ اگر واقف اپنی وقف شدہ شے کی تحریر لکھ دے تو زیادہ اچھا ہے اور آج کل کے حالات کے مدنظر اگر باقاعدہ وقف بورڈ میں رجسٹرڈ کرادے تو بدرجہ اولیٰ ہے۔

یہ بات بہت واضح ہے کہ اسلام وہ دین ہے جس نے دونوں جہانوں میں انسانوں کی کامیابی اور ان کی فلاح وخیر کے لیے تعلیم دی ہے۔انہیں تعلیمات میں سے وقف ایک اہم تعلیم ہے۔وقف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے دنیا میں بھی نوازتا ہے اور آخرت میں تو اللہ تعالیٰ اس کو بے شمار نیکیاں عطا فرمائے گا۔وقف کا بڑا فائدہ ان تمام لوگوں کو ملتا ہے جو مالی حیثیت میں کمزور ہوتے ہیں۔وقف شدہ چیز اللہ کی ملک ہوتی ہے اس لیے نہ بیچا جاسکتا ہے نہ وراثت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔یہ وقف کی ایک شرعی حیثیت ہے۔

اسلام میں وقف کو شروع ہی سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت ساری چیزیں وقف کیں۔آپ جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو مسجد قبا تعمیر کی گئی۔اس مسجد کی زمین بھی وقف تھی۔اسی طریقے سے یہودیوں کی بعض زمینیں اور باغات آپؐ نے خرید کر وقف کیے۔مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا۔وہ یہودی کی ملکیت تھا۔وہ پانی کی قیمت بھی وصول کرتا اور جسے چاہتا پانی دیتا اور جسے چاہتا پانی بھرنے سے روک دیتا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خریدا اور اسے وقف کردیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے دور میں بہت ساری چیزیں وقف کیں۔حضرت عمرؓ نے اوقاف کا اندراج بھی کیا۔یوں سمجھیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقاعدہ ایک وقف بورڈ قائم کیا۔یہ آج کل مختلف ممالک میں وقف بورڈ ہیں،حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں قائم بورڈ کی نقل ہیں یا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔خلفائے راشدین کے بعد عباسی اور اموی دور میں بھی وقف کا سلسلہ جاری رہا اور لوگوں نے مساجد اور قبرستان اور ہاسپٹل کے لیے اپنی زمینیں وقف کیں۔بعض اشخاص نے تعمیرات کرکے پوری عمارت کو وقف کیا۔

ہندستان میں یوں تو اسلام کی آمد کے ساتھ ہی اوقاف کا سلسلہ شروع ہوا مگر فیروز شاہ تغلق نے اسے خوب رواج دیا۔اس نے خود ایک ہاسپٹل قائم کیا۔جہاں مریضوں کا مفت علاج ہوتا تھا۔دوائیں بھی مفت ملتیں اور کھانا بھی۔دہلی میں مدرسہ فیروز شاہی بھی اسی نے قائم کیا جو اپنے وقت کا ایک عظیم علمی ادارہ تھا۔فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت(۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء) میں وقف املاک کو منظم کیا گیا۔شیر شاہ سوری(۱۵۲۹ء تا ۱۵۴۰ء) کے دور میں اوقاف کا شعبہ نہ صرف مضبوط ہوا؛ بلکہ اس سے استفادہ کنندگان کی

تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔شیر شاہ سوری کا دور فلاحی اور رفاہی کاموں کے لیے یاد کیا جاتا ہے۔اس نے مساجد کے لیے زمینیں فراہم کیں۔شفاخانے قائم کیے اور تقریباً ۱۷۰۰ مسافر خانے قائم کیے۔ان مسافر خانوں میں مسافروں کو قیام کے ساتھ کھانے پینے کی سہولیات بھی حاصل تھیں۔ان کی سواریوں کے لیے چارہ کا انتظام بھی تھا۔یہ مسافر خانے ملک میں موجود اوقاف کی آمدنی سے چلائے جاتے تھے۔جلال الدین اکبر کے زمانے میں بھی اوقاف میں خوب اضافہ ہوا۔ ان تاریخی شواہد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کا نظام نہ صرف قدیم ہے بلکہ بہت منظّم بھی ہے۔

انگریزی دور حکومت میں اوقاف کی زمینوں پر تعلیمی ادارے قائم کیے گئے۔اس ضمن میں نمایاں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ جنگ آزادی میں تعاون اور مجاہدین کی فلاح و بہبود کے لیے بھی مسلمانوں نے اپنی جائدادیں وقف کیں۔مہاتما گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک کے دوران میں مسلمانوں کی جانب سے وقف آراضی پر متعدد اسکول، کالج اور فلاحی ادارے قائم کیے گئے۔آج بھی کئی ریاستوں میں کانگریس پارٹی کے دفاتر مسلمانوں کی جانب سے عطیہ کی گئی زمینوں پر قائم ہیں۔مثال کے طور پر پٹنہ میں صداقت آشرم مولانا مظہر الحق کی زمین پر قائم ہے۔

مسلم سلطنت کے زوال کے بعد ہندستان میں وقف قانون کی تاریخ ۱۸۱۰ء سے شروع ہوتی ہے۔ ۱۸۱۰ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کے تحت علاقوں کے لیے ایک قانون منظور کیا گیا تھا،اس کے بعد ۱۸۱۷ء میں فورٹ سینٹ جارج، مدراس کے علاقوں کے لیے اسی طرح کا قانون منظور کیا گیا تھا۔۱۸۱۸ء میں وقف املاک کی نگرانی بورڈ آف ریونیو اور بورڈ آف کمشنرز کو سونپی گئی۔اس کے بعد ۱۸۶۳ء میں تمام سابقہ قوانین کو منسوخ کر دیا گیا اور مذہبی اوقاف کو متولیوں کے دائرہ اختیار میں دے دیا گیا۔۱۸۹۰ء کے چیریٹیبل انڈومنٹ ایکٹ نے خیراتی وقف جائیدادوں کے تحفظ اور ان کے رکھ کھاؤ سے بے توجہی برتی اور اوقاف ویران ہونے لگے۔انگریزوں نے سازش کے تحت وقف املاک کو خورد برد کیا۔ان کو فروخت کر دیا اور ناجائز قبضے کرائے۔۱۸۷۳ء میں بمبئی ہائی کورٹ نے وقف الاولاد کے خلاف فیصلہ جاری کیا۔ انگریزوں کی سازشی ذہنیت کے ظاہر ہونے کے بعد وقف جائدادوں کی حفاظت کی جانب مسلم رہنماؤں کی توجہ ہوئی اور احتجاج وجد جہد کی ایک طویل داستان رقم ہوئی۔جس کی تفصیلات تاریخی کتابوں میں درج ہیں۔بالآخر ۷؍ مارچ ۱۹۱۳ء کو مسلم وقف ویلیڈنگ ایکٹ ۱۹۱۳ء نافذ کیا گیا۔

آزادی کے بعد ۱۹۵۴ء میں نیا وقف ایکٹ منظور ہوا۔کافی ترمیمات کے بعد سنہ ۱۹۹۵ء میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے سنٹرل وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء منظور کیا جس میں موجودہ مرکزی حکومت بعض ایسی ترامیم کرنا چاہتی ہے جس سے نہ صرف اوقاف میں حکومت کی مداخلت بڑھ جائے گی ؛ بلکہ مسلمان ان جائدادوں کی ملکیت اور استفادے سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

آزادی کے بعد مسلم جماعتوں اور ملی تنظیموں نے اوقاف کے تحفظ کے لیے بہت سی کوششیں کیں۔بڑی بڑی کانفرنسیں ہوئیں۔سمینار و سمپوزیم ہوئے۔سروے کمیٹیاں بنائی گئیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ نے بھی وقف کے مسئلہ کو اپنے ایجنڈے میں شامل کیا؛ مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔اس کی بڑی وجہ حکومت کی بد نیتی رہی، مگر ایک وجہ یہ بھی رہی کہ خود مسلمانوں نے اوقاف کی جن جائدادوں پر ناجائز قبضہ کر رکھے ہیں وہ انھیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔تقسیم وطن کے وقت بہت سی املاک پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا تھا۔بہت سی دوکانوں پر ان کے کرائے داروں نے قبضہ جمالیا اور جن کرائے داروں نے کرایہ دیا بھی تو بہت معمولی تھا۔دوکاندار کرائے میں سکہ رائج الوقت کے مطابق اضافہ کو تیار نہیں۔وقف املاک سے متعلق ہزاروں مقدمات وقف ٹریبونل میں زیر التوا و زیر سماعت ہیں۔وقف بورڈوں میں جو لوگ رہے ان میں بھی ایک بڑی تعداد کرپٹ تھی جنھوں نے خود بھی قبضہ کیے اور اپنے رشتہ داروں کو بھی اس کا موقع دیا۔

ہم میں سے ہر فرد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آس پاس کے اوقاف پر نظر رکھے۔اگر اس پر کسی کا قبضہ ہے تو اس کی آزادی کے لیے منظّم کوششیں کرے۔اگر وہ ویران ہے تو اس کو مفید بنانے کے لیے منصوبہ بندی کرے۔ہمارے بزرگوں نے امت کی فلاح و بہبود کے لیے اپنے خون پسینہ کی کمائی وقف کی تھی۔اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اپنا اجر پا چکے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ان اوقاف کے ضیاع کی پاداش میں اللہ کی بارگاہ میں مجرم کی حیثیت سے پیش کیے جائیں۔ اس لیے اوقاف کا تحفظ ہماری دینی اور شرعی ذمہ داری ہے۔اگر ہندوستانی مسلمان اپنی زکاۃ اور اوقاف کو منظّم کر لیں تو انھیں کسی حکومت کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔موجودہ مرکزی حکومت نے سیاسی اغراض ومقاصد کے تحت اس ایشو کو اٹھایا ہے۔یہ اس کا وطیرہ ہے۔وہ اپنے دس سالہ دور حکومت میں ایسے بہت سے ایشوز اٹھاتی رہی ہے کہ ملت ان ایشوز میں الجھی رہے اور بنیادی مسائل وضروریات کی جانب اسے توجہ کرنے کی فرصت نہ ملے۔اس بار اس نے وقف کا ایشو اٹھایا ہے تاکہ مسلمان اس میں الجھیں رہیں۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

تصانیف ڈاکٹر سید محمود قادری

ڈاکٹر سید محمود قادری (بیجاپور، کرناٹک) اپنی دینی واصلاحی سرگرمیوں اور تالیف وتصنیف کی وجہ سے دینی و اصلاحی حلقہ میں اچھا تعارف رکھتے ہیں، ان کی شخصیت عصرِ حاضر میں عصری طبقہ کے لیے ایک مثال ہے؛ کہ وہ عصری تعلیمی نظام سے استفادہ اور حصولِ تعلیم کے ساتھ، علماء دین کی صحبت سے اتنا کسبِ فیض وعلم کر چکے ہیں کہ اب خود اپنا ایک ذوقِ مطالعہ رکھتے ہیں، ان کی تصنیفات دین سے ان کی گہری وابستگی اور وسعتِ علمی کی شاہد ہیں، عصری تعلیمی طبقہ میں ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان وادب سے کافی حد تک واقفیت رکھتے ہیں، جو متونِ شرع کے مطالعہ میں ان کو امتیاز عطا کرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اس اعتبار سے بھی عدیم المثال نہیں تو قلیل المثال ہے کہ وہ مختلف مزمن امراض وعلل کے باوجود ایک مجاہدانہ زندگی گذارتے ہیں، اور حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ اعمالِ خیر واصلاح ودعوت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ گوناگوں خصوصیات شاید اس وجہ سے بھی ان کو حاصل ہیں کہ وہ ایک علمی و روحانی خاندانی پس منظر رکھتے ہیں؛ کہ ان کا سلسلۂ نسب شاہ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہونچتا ہے۔

اس وقت ان کی مختلف تصنیفات دعوتِ مطالعہ دے رہی ہیں، جن پر ایک ایک کرکے ہم نظر ڈالیں گے:

خطباتِ قادریہ (۴/جلد)

ڈاکٹر صاحب موصوف کو نوجوانی کی عمر سے جب وہ نویں کلاس کے طالب علم تھے، جمعہ کی خطابت وامامت کا موقع ملا، میڈیکل کی تعلیم کے دوران ایک وقت وہ بھی آیا جب کالج کے ارد گرد کوئی مسجد نہیں تھی، اور کافی تعداد میں مسلم طلبہ کی جمعہ کی نماز کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا، اس وقت طلبہ کے سامنے ایک پیش کش رکھی گئی کہ جمعہ کے دن ایک پیریڈ کا ناغہ کرکے کالج کی عمارت سے قریب ایک خشک سوئمنگ پول میں نمازِ جمعہ قائم کی جائے، اس رائے کو قبول کیا گیا اور ڈاکٹر صاحب موصوف امام وخطیب مقرر ہوئے۔ میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی ۱۹۷۵ء سے بیجاپور شہر کی مختلف مساجد میں جمعہ کی خطابت وامامت کا سلسلہ ان کا باقی رہا، اور اب کہہ سکتے ہیں کہ ان کو اس کا تقریباً پچاس سالہ تجربہ ہے، یا اس سے بھی زیادہ۔

یہ خطبات اردو میں ہیں، اس لحاظ سے ان کو 'تقاریرِ جمعہ' کا ٹائٹل بھی دیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ان خطبات یا تقاریر کو نوٹ اور ایڈٹ کرنے کا بھی اہتمام کیا، جس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر خطبہ کے لیے باقاعدہ تیاری کی، وہ بتاتے بھی ہیں کہ انھوں نے کن مستند تفاسیر وشروح احادیث سے استفادہ کیا ہے۔

ابتداء میں ان خطبات کی ایک دو جلدیں سامنے آئیں، جن کو قبولِ خاص وعام حاصل ہوا، اور یہ اطلاع بھی ملی کہ بعض خطباء جمعہ نے ان خطبوں کی روشنی میں خطبے دینے شروع کردیے، جس سے مہمیز پاکر اب خطباتِ قادریہ کی تعداد چار جلدوں تک پہونچ چکی ہے، ہر جلد کو کسی نہ کسی بڑے عالمِ دین کی خدمت میں بغرضِ اصلاح پیش کیا گیا، اور ہر ایک کی تحریر بشکل 'تقریظ' یا 'تبصرہ' اس جلد کے آغاز میں بہ طورِ شہادت شامل کردی گئی۔

'خطباتِ قادریہ' کی ہر جلد میں ۴۰/خطبات درج کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور ہر جلد میں عیدین کے خطبے بھی مذکور ہیں۔ جہاں تک مضامین کے تنوع کا سوال ہے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے کوئی معروف یا اہم موضوع جو دینی خطبات وتقاریر میں ہوتا ہے' چھوڑا نہیں ہے، توحید ورسالت، عقائد واحکام، رسوم ورواج، بدعات وخرافات، تاریخ وقصص، عبَر ومواعظ، وغیرہ وغیرہ سب ہی کا ذکر ان تقاریرِ جمعہ میں مل جاتا ہے۔

ہم ایک طرف یہ سمجھتے ہیں کہ جو ائمہ حضرات جمعہ کے دن بیان کا حوصلہ نہیں رکھتے، یا ہر ہفتہ ایک نئے موضوع کے لیے پریشان رہتے ہیں، یہ مجموعۂ تقاریر ان کی مشکل کا ایک بہترین حل ہے، اور ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ان کے لیے ایک قیمتی تحفہ، تو دوسری طرف یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ ابھی اس سلسلہ کی مزید جلدیں تشنگانِ علم کے لیے سامنے آئیں گی۔ و باللہ التوفیق و ھو المستعان.

مکتوباتِ اکابر

یہ ۱۹/شخصیات کے مکاتیب ہیں، جن میں سرفہرست مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت ہے، اور سب سے زیادہ خطوط بھی آپ ہی کے ہیں، بعد ازاں مولانا سید محمد رابع حسنی

ندویؒ، مولانا برہان الدین سنبھلی ندویؒ، مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ، قاری محمد طیب قاسمیؒ، قاری سید صدیق احمد باندویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا مجیب اللہ ندویؒ، مولانا ڈاکٹر محمد عبدالستار خاںؒ، مولانا نعمت اللہ اعظمیؒ، مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانویؒ، مولانا محمد عارف سنبھلی ندویؒ، مولانا محمد عبد اللہ طارق، مولانا جلیل احسن ندویؒ، مولانا خالد سیف اللہ گنگوہی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا عبد الکریم پاریکھؒ، مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ اور مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی۔

مکاتیب پر ایک عابرانہ نظر ڈالنے کے لیے جب کتاب اٹھائی تو دیکھا کہ ایک ایک مکتوب التفاتِ نظر کا طالب ہے، اور علمی نکتوں پر مبنی، کسی بھی قسم کی غیر مفید یا قاری کے لیے لایعنی گفتگو سے پاک۔ حیرت ہوئی کہ کیا کسی کی کسی سے ایسی مکاتبت بھی ہوسکتی ہے کہ ہر خط ہر طالب علم کے لیے مفید و نافع ہو۔ اور عام طور پر اربابِ طریقت کے خطوط ایسے مضامین پر بکثرت مشتمل ہوتے ہیں جن میں محض ذاتی کوائف مذکور ہوں اور پیر و مرشد کے باہمی راز و نیاز کو بتلاتے ہوں، اور اکثر مکاتیب کے مجموعہ میں ایسی باتیں بھی دیکھی ہیں جو قاری کی طبیعت میں بجائے عقیدت کے نفور پیدا کردیتی ہیں۔ اس نکتہ سے دیکھا جائے تو یہ مکاتیب راقمِ سطور کے نزدیک چنندہ مجموعہائے مکاتیب میں جگہ پاتے ہیں، جن میں محض علمی، ادبی، لغوی، تاریخی ایسے افادات قاری کو ملتے ہیں جو ان شخصیات کے حوالوں سے کہیں اور نہ ملیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اکابر کے مکتوبات سے صرف منتخب شدہ مکتوبات کو شائع کیا ہے؛ انھوں نے الا ماشاء اللہ، انتخاب میں ان مکتوبات کو شامل ہی نہیں کیا جو ان کے ذاتی احوال و کوائف پر مشتمل تھے، اور ان فقہی مسائل اور استفتاء پر مبنی مکتوبات کے اندراج سے بھی پرہیز کیا جن کا جواب قاری کو فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں مل سکتا ہے، حالانکہ ایسے مکتوبات کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے، اور وہ بطورِ فخر و مباہات ان کو بھی شاملِ اشاعت کرسکتے تھے، جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے۔

یہ مکاتیب جہاں بہت سے علمی فوائد پر مشتمل ہیں، وہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کس طرح اپنے دور کی علمی شخصیات سے استفادہ کیا ہے، بالخصوص ان مکاتیب کا روحِ رواں موضوع علمی مطالعہ ہے، اکثر مکاتیب میں قرآن و حدیث اور ان کے فہم میں معاون علوم کو پیش کرنے والی کتابوں کے سلسلہ میں استفسار کے جوابات دیے گئے ہیں، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ طلبہ؛ بلکہ منتہی طلبہ کے لیے ان مکتوبات کا مطالعہ ناگزیر ہے، وہ ان سے بہت فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

مکتوبات کے اس مجموعہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اصل کی تصویر ہر مکتوب کے ساتھ موجود ہے، گرچہ آمنے سامنے نہیں ہے؛ ورق کے دائیں جانب اصل کی تصویر رکھی گئی ہے، اور بائیں جانب مشینی کتابت، جس کی وجہ سے دونوں کو دیکھنے کے لیے ورق الٹنا پڑتا ہے، بہتر ہوتا کہ آمنے سامنے رکھا جاتا۔ اصل کی تصویر سے جو استناد حاصل ہوتا ہے وہ تو ہے ہی، راقم کی نظر میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اسلاف کی خوش نویسی اور ان کے املا کو سیکھنے کا موقع ملتا ہے، اور موجودہ دور میں جہاں اب موبائل اور کمپیوٹر عام ہونے کی وجہ سے نوخیز طلبہ اور نوجوانانِ امت میں ہاتھ کی تحریر پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوتی جارہی ہے، اور قدیم تحریریں تو پڑھنے کا ملکہ اب خال خال ہی رہ گیا ہے، تو اس طرح کے موضوعات میں مخطوط کی تصویر بھی اگر شاملِ اشاعت کردی جائے تو فائدہ کی بات ہوگی۔

الأربعينات

أربعين یا أربعينات (چہل احادیث) کی فضیلت پر اگرچہ وارد شدہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے، اور ان کے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، تاہم تعددِ طرق کو اہمیت دیتے ہوئے بہت سے ائمہ و علماء و مصنفین نے 'أربعين' یا 'أربعينات' تصنیف کی ہیں، حضرت عبد اللہ بن مبارک، امام دارقطنی، امام نووی رحمہم اللہ اور نہ جانے کتنے علماء و محدثین کی 'چہل احادیث' مطبوعہ و غیر مطبوعہ اسلامی کتب خانوں اور لوگوں کے مطالعہ کی الماریوں کی زینت ہیں، بعض علماء نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ اس کے ذریعہ تبلیغِ دین کا کام ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے: "بلغوا عني و لو آية"۔

اسی کے پیشِ نظر ڈاکٹر صاحب موصوف نے بھی تین موضوعات پر چالیس چالیس احادیث جمع کی ہیں؛ اول: اخلاصِ نیت، دوم: جنت میں داخل کرنے والے اعمال، سوم: جہنم میں لیجانے والے اعمال، گویا یہ تصنیف 'الترغیب والترہیب' کے باب سے ہے، اور اصلاحِ عوام میں بڑا کردار ادا کرسکتی ہے۔

اکثر احادیث صحاح ستہ سے لی گئی ہیں، اور ان میں سے ایک اچھی تعداد شیخین سے مروی ہے، اور کچھ احادیث حدیث کی دیگر معروف کتابوں سے لی گئی ہیں۔

افضل اذکار و اہم دعائیں

دعا کو حدیثِ پاک میں "مخ العبادة" کہا

گیا ہے، قرآن کریم میں اکثر عبادت کے معنی میں 'دعا' ہی کی تعبیر اختیار کی گئی ہے؛ "قل ادعو اللّٰہ او ادعوا الرحمن، أیاً ما تدعو فلہ الأسماء الحسنی"۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم سے صبح وشام، قیام وقعود، طعام وشراب، سفر وحضرت، نوم واستیقاظ، اور زندگی کی ہر حرکت وسکنت اور اہم مواقع پر دعائیں ثابت ہیں اور امت کو اس کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ وہ ہر لحظہ وہر آن اللہ کی یاد سے غافل نہ رہ سکیں؛ بلکہ اس سے رجوع رہیں اور اپنی دینوی واخروی حاجات اس سے مانگتے رہیں، اور یہ بندہ کا مانگتے رہنا اللہ کو پسند بھی ہے اور وہ اس سے راضی ہوتا ہے۔

"افضل اذکار واہم دعائیں" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں 'ادعیہ ماثورہ' کے عنوان سے بہت سے افرادِ امت نے حسبِ موقع وحسبِ ضرورت دعاؤں کا مجموعہ پیش کیا ہے۔ اس مجموعہ میں دعاؤں کا ترجمہ اور ان کی فضیلت بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور خاص طور پر آغاز میں ایک طویل ومفصل مقدمہ 'دعا' کے موضوع پر پیش کیا گیا ہے، جس میں دعا کی اہمیت وفضیلت اور اس کے آداب کو بیان کیا گیا ہے۔

ملفوظات

یہ کتاب سوادوسو سے زائد صفحات کی مشکوٰۃ المصابیح کے چند اجزا کی شرح وبسط سے عبارت ہے جو قرآن کریم سے تعلق رکھتے ہیں؛ ان میں پہلا: "کتاب العلم" ہے، دوسرا: "باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ"، اور تیسرا: "کتاب فضائل القرآن" ہے۔ یہ صاحبِ ملفوظات ڈاکٹر صاحب موصوف کے چالیس سال کے عرصہ میں مغرب بعد دیے گئے لکچرز کے افادات کا مجموعہ ہے۔ یہ اک مثالی 'درسِ حدیث' ہے، اسلوب بڑا عام فہم ہے، سب ہی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

ہدایت اور گمراہی

کتاب وسنت کی بنیادی تعلیم اور اس کا خلاصہ 'ہدایت' و'ضلالت' اور ان کو انجام کو بیان کرنا ہی ہے۔ صاحبِ کتاب نے رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ میں بعد نمازِ عصر تا مغرب اسی موضوع پر کتاب وسنت کے حوالے سے بیان کیا، جو محفوظ کیا گیا اور اب کتابی شکل میں قارئین کے لیے حاضر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے موضوع کے اجزاء کا باریکی کے ساتھ احاطہ کیا ہے، اور ان پر اثر انگیز نکتہ آفرینی کی ہے۔ دینی مطالعہ کا شوق رکھنے والوں کے لیے ایک عمدہ اور مفید کتاب ہے جو 'صراطِ مستقیم' پر گامزن کرتی ہے، اور دیگر گمرہی کے راستوں سے اجتناب برتنے کا سلیقہ عطا کرتی ہے۔

یہ ساری کتابیں خانقاہِ قادریہ، گوڈیہال، وجے پور (کرناٹک) سے شائع ہوکر مطالعہ کے لیے دستیاب ہیں۔

رابطہ کے لیے: ۸۱۴۷۸۳۷۹۸۸

☆☆☆☆☆

تبدیلی یا انقلاب کی دعوت

مولانا مجیب اللہ ندویؒ

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ جب بھی انہوں نے لوگوں کو حق کی طرف بلایا ہے، جب بھی انہوں نے خدا اور بندے کو ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑنے کی کوشش کی ہے تو ابتداء میں ان کی آواز پر لبیک کہنے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے بہت کم؛ بلکہ بسا اوقات ایک دو بھی نہیں ہوئے ہیں، پھر یہی نہیں کیا گیا بلکہ اس دعوت کے نتیجہ میں ان کو ہر قسم کی مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، ان میں سے بعضوں کو اپنے اہل وعیال سے الگ ہونا پڑا، بعضوں کو گھر بار سے دستبردار ہونا پڑا، اور کتنوں کو اپنی جان کی بازی بھی لگا دینی پڑی، غور کرنے کی بات ہے کہ دعوتِ حق دینے سے پہلے جو لوگ ان کے ہمدرد وہم نوا تھے، وہ یک بہ یک ان کے دشمن کیوں ہوگئے؟ کل تک جو بیوی کا، شوہر کا، باپ کا، بیٹے کا، اور بھائی کا سا رشتہ رکھتے تھے، آج وہ ان کے خون کے پیاسے کیوں ہوگئے؟ کل تک جو لوگ ان کے اخلاق کے مداح تھے، آج ان کی برائی کیوں کرتے پھر رہے ہیں؟ کل تک بستی اور خاندان کا ہر شخص ان سے ملنے جلنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا باعث فخر سمجھتا تھا، آج وہ نفوس قدسی اجنبی اور غریب الدیار کیوں بنا دیے گئے ہیں؟ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں تھی کہ وہ جس چیز کی طرف ان کو بلا رہے تھے، ان کے لیے وہ غیر مانوس اور نئی چیز معلوم ہوتی تھی، وہ چونکہ اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے یا اس کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، اس لیے کسی تبدیلی یا انقلاب کی دعوت ان کے لیے بالکل تعجب خیز اور مضحکہ خیز تھی۔

☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک سرکاری ملازم نے گریجوٹی کے فارم میں اپنی اہلیہ کا نام لکھا، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے کئی ورثاء ہیں، کیا وہ رقم مرحوم کی صرف بیوی کو ملے گی یا دیگر ورثاء بھی اس میں حصہ پائیں گے؟

جواب: وارثین میں جب کسی کا نام گریجوٹی فارم میں دیا جاتا ہے تو اس کا مقصد صرف رقم وصول کرنا ہوتا ہے، نامزد شخص یا عورت کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس گریجوٹی میں مرحوم کی زوجہ کے ساتھ دیگر ورثاء بھی وارث ہوں گے، اور ہر ایک کو اس میں اپنے حصہ کے بقدر رقم ملے گی۔

سوال: ایک شخص کی اہلیہ نے مہر معاف کر دیا تھا، زندگی میں بیوی نے ان سے مطالبہ نہیں کیا، لیکن شوہر کے انتقال کے بعد مال متروکہ میں سے پہلے وہ مہر مانگ رہی ہیں اور اسے دَین میں شمار کرتے ہوئے تقسیم وراثت پر مقدم سمجھتی ہیں، کیا ان کا یہ مطالبہ درست ہے؟

جواب: دَین مہر معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے، بیوی نے مہر معاف کر دینے کے بعد شوہر سے جب مطالبہ نہیں کیا تو اب ان کی وفات کے بعد مطالبۂ مہر کا حق نہیں ہوگا، اس لیے یہ مطالبہ غلط ہے اور اسے دَین نہیں مانا جائے گا۔

[الدر المختار مع رد المحتار: ج۳/ص۱۵۰]

سوال: بعض لوگ بیمہ پالیسی چلاتے ہیں، اسی طرح سرکاری ملازمین کو بھی انشورنس کرانا پڑتا ہے، فارم میں اگر بیوی کا نام دیا جائے تو اس شخص کے انتقال کے بعد اس پوری رقم کا حقدار صرف بیوی ہوگی؟ یا دیگر ورثاء بھی اس میں حصہ پائیں گے؟

جواب: بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لیے جب فارم میں بیوی کا نام دیا جائے تو اسے صرف رقم وصول کرنے کا حق ہوگا، وہ کل رقم کی مالک نہیں ہوگی؛ بلکہ اس میں بیوہ کے ساتھ دیگر ورثاء حصہ پائیں گے، یاد رہے کہ ورثاء صرف زرِ اصل کے مالک ہوں گے، زرِ اصل کے علاوہ جو زائد رقم ملے گی، وارثین پر واجب ہے کہ بلا نیت ثواب اسے ضرورت مندوں پر صدقہ کر دے۔

سوال: سرکاری ملازمین کی وفات کے بعد ان کی بیوی کو جو پنشن ملتی ہے، کیا اس میں دوسرے ورثاء بھی حقدار ہوں گے یا یہ صرف بیوی کی ہوگی؟

جواب: پنشن حکومت کی طرف سے ایک تبرع اور احسان ہے جو ملازم کی بیوی کو ملتی ہے، اس لیے اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اور نہ دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق ہوگا۔

سوال: ایک شخص سنگین مرض میں مبتلا ہوگیا اور اسی مرض میں انتقال کر گیا، سرکاری طرف سے میڈیکل امداد ملی تھی؛ لیکن وہ رقم مرحوم کی وفات کے بعد بیوی کو ملی تو کیا یہ رقم بیوی کی ملک ہوگی یا مال متروکہ میں شمار ہوگی اور تمام ورثاء میں تقسیم کی جائے گی؟

جواب: میڈیکل امداد مرحوم کے علاج کے لیے ملی تھی، بعد وفات جب وہ رقم موصول ہوئی تو مال متروکہ میں وہ شامل ہوگی اور تمام ورثاء اس کے حقدار اپنے حصہ کے بقدر ہوں گے۔

[ملاحظہ ہو: رد المحتار: ج۱۰/ص۹۴۳]

سوال: ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں اپنا مکان اپنی بیوی کے حق میں وصیت کر دی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے، مرحوم کی بیوہ وصیت نامہ دکھا رہی ہیں، اور یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ مکان میرا ہے، مجھے شوہر نے دیدیا ہے، کیا از روئے شرع یہ مکان بیوی کا ہوگیا یا دیگر ورثاء بھی اس میں حصہ پائیں گے؟

جواب: بیوی وارث ہے، ان کے حق میں وصیت نہیں ہوگی، ہاں! اگر دیگر ورثاء اس وصیت سے راضی ہوں تو وصیت نافذ ہوجائے گی ورنہ نہیں، حدیث میں یہ حکم موجود ہے: "لا وصية لوارث الا أن يجيزها الورثة".

[دار قطنی وبیہقی، الدر المختار علیٰ رد المحتار، کتاب الوصایا: ج۱۰/ص۳۴۶]

سوال: نافرمان اولاد کو میراث سے محروم کرنا کیسا ہے؟

جواب: والدین کی نافرمانی کی وجہ سے کوئی اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوگی، کیونکہ وراثت ایک اختیاری ملک نہیں ہے، باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے بعد ورثاء میں سے کسی کو وراثت سے محروم کر دے، شریعت نے جو حصہ جس وارث کا متعین کر دیا ہے وہ اس کو ضرور ملے گا خواہ مورث راضی ہو یا ناراض، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے وارث کو میراث سے محروم کر دے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے بھی جنت کی میراث سے محروم کر دے گا: "من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". [مشکوٰۃ: ص/۲۶۶]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date 25th August 2024

تاریخ ۲۵/اگست ۲۰۲۴ء

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں:
Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91-8736833376
پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا